سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

اخبار الحکم قادیان — ہفتہ وار — دورِ جدید

چندہ سالانہ — قیمت فی پرچہ ۲

مدیر اعلیٰ شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی — مدیر مسئول شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

جلد ۴۲ — مورخہ ۲۱/۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء مطابق ۷/۱۴ رمضان سنہ ۱۳۵۸ھ — نمبر ۲۳-۲۴

آنریبل سر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب لاء ممبر کی تقریر پر

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خراج تحسین

دہلی میں سیرت النبی کے جلسہ پر جو ہماری جماعت کی طرف سے ۸۔ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۹ء بروز اتوار صبح نو بجے سے ۱۲ بجے تک ہوا۔ اور اس میں ملک کے سربرآوردہ اصحاب نے شرکت کی۔ اور ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کے بلند مرتبہ لیڈروں نے تقریریں کیں۔ جلسہ کے صدر سر راما سوامی مدالیار ممبر کونسل وائسرائے تھے۔ اور اس جلسہ میں آنریبل سر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے ایک گھنٹہ ۵ منٹ تک سیرت رسول پر ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ اس موقعہ پر جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے باوجود علالت طبع کے ایک دلچسپ تقریر کی۔ جو در اصل آنریبل چوہدری صاحب کی تقریر پر خراج تحسین تھا۔ یہ تقریر میں احباب کے علم کے لئے خواجہ صاحب کے اخبار منادی سے لے کر شائع کرتا ہوں۔ (ایڈیٹر)

"میں ہرہٹلر ہوں"

حضرت خواجہ صاحب نے اپنی تقریر کو اس طرح شروع کیا۔

مسٹر پریذیڈنٹ اینڈ جنٹلمین:۔ آج دسہرہ ہے۔ سری رام چندر جی نے آج کے دن راون پر فتح پائی تھی۔ اور اس کی یادگار میں آج ہندوستان کے ہر شہر میں سری رام چندر جی کی تمثیل دکھائی جارہی ہے۔ جس کو رام لیلا کہتے ہیں۔ رام لیلا میں رام چندر جی اور لچھمن جی اور بھرت جی اور راون وغیرہ بنتے ہیں۔ اور سری رام چندر جی کے زمانہ میں جو کچھ پیش آیا تھا۔ اس کی تمثیل دکھا کر بطور ڈرامہ کے عوام کو واقعات سمجھاتے ہیں۔

آج حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت پاک بیان کرنے کا جلسہ ہے۔ جس میں ہر مسلم غیر مسلم کو اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس لئے میں بھی بطور تمثیل کے سیرت کے مقصد کو مدنظر رکھکر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسے شخص کی تمثیل پیش کروں گا۔ جس کے پیش کرنے کی مجھے صدر جلسہ سے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ سرکاری نوکر ہیں۔ اور وہ تمثیل اس غرض سے پیش کی جاتی ہے۔ کہ چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب اور دوسرے مقررین کے بیان سیرت کو حاضرین اچھی طرح سمجھ جائیں۔ وہ تمثیل یہ ہے۔ کہ میں جو آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ دعویٰ کرتا ہوں۔ کہ

میں ہرہٹلر ہوں

یہ فقرہ سنتے ہی حاضرین میں ایک جوش اور توجہ مقرر کی طرف پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا:۔ میں نے کل ۲ گھنٹے تک انگورہ کے جرمن سفیر ہر فان پاپن سے باتیں کیں۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تم ہمارے سفیر ترکی حکومت میں ہو۔ اس لئے تم ہی اس سوال کا جواب دے سکو گے۔ کہ ترکی حکومت نے برطانیہ اور فرانس سے عہدنامہ کرلیا۔ اور روس سے عہدنامہ نہ کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ مگر ہر فان پاپن کے جوابات سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ اور میں نہیں سمجھتا۔ کہ ترکوں نے آخر کیوں روس جیسی بڑی حکومت سے انکار کر کے برطانیہ اور فرانس سے عہدنامہ کیا ہے۔

چنانچہ میں کل سے آج تک اسی فکر اور اسی سوچ میں تھا۔ اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ مگر آج جب چودھری سر ظفر اللہ خاں نے جنگ اور صلح کے مضمون کو بیان کرنا شروع کیا۔ تو پہلے تو میں نے خیال کیا۔ کہ یہ شخص چیمبرلین کا نوکر ہے۔ جو کچھ کہے گا برطانیہ کی تائید میں کہے گا۔ لیکن جب سر ظفر اللہ خاں نے قرآن کی آیات اور سیرت نبوی کے حوالوں سے اسلامی تعلیم کو بیان کیا۔ جس میں جنگ اور صلح کے احکام تھے۔ تب میری سمجھ میں یہ بات آگئی۔ کہ ترکی حکومت نے برطانیہ اور فرانس سے اس لئے عہدنامہ کیا اور روس سے اس واسطے انکار کردیا۔ کہ ترک برطانیہ اور فرانس سے بہت پہلے وعدہ کر چکے تھے۔

اور چونکہ اسلام نے وعدہ ایفا کرنے اور عہد پر قائم رہنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ اس لئے ترکی حکومت نے اپنے وعدہ اور عہد پر قائم رہنا اسلامی تعلیم کے سبب ضروری سمجھا۔

میں ہرہٹلر اپنی وعدہ خلافیوں اور عہد شکنیوں کو سوچتا ہوں۔ تو میرا ضمیر مجھے کاٹتا ہے۔ اور ملامت کرتا ہے۔ اور سب ہی گوری قومیں عہد اور وعدہ کی اتنی پابند نہیں ہیں جتنے ترک اپنے وعدہ اور عہد کے سچے اور پکے ثابت ہوئے ہیں۔ حالانکہ ترکوں کی نسبت کہا جاتا تھا۔ کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے اسلام کی تعلیم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر آج مجھ پر اور ساری دنیا پر ثابت ہو گیا۔ کہ ترک مسلمان ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم پر قائم ہیں۔ اور انہوں نے پوری مستعدی اور بہادری کے ساتھ ساری دنیا سے بے خوف ہو کر اسلام کے حکم وعدہ ایفائی اور

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر اخبار الحکم تراب منزل سے شائع ہوا (۱)

حکومت مصر کا قونصل خانہ بمبئی میں

(۲)

میں گذشتہ نمبر میں مصری قونصل خانہ کے متعلق مفصل لکھنا چاہتا تھا۔ مگر جگہ کی تنگی نے میری قلم کو روک دیا۔ اس لئے اس نمبر میں اس موضوع کی تکمیل کرنی ضروری خیال کرتا ہوں۔

احمد نجیب بک شکری

اس وقت مصری حکومت کی طرف سے احمد نجیب بک شکری بطور قائمقام قونصل جنرل کے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ احمد نجیب بک ابھی نوجوان ہی ہیں۔ اور اُن کے سامنے ایک نہایت چمکتا ہُوا مستقبل ہے۔ وہ دن دور نہیں۔ جب کہ وہ مرکزی حکومت میں کسی بہت بڑی پوسٹ پر لے جائیں گے۔

ان کا خاندان

وہ ایک رفیع المنزلت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو مصر میں ہر طرح محترم ہے۔ کیا بلحاظ ظاہری مال و دولت اور تمول کے اور کیا بلحاظ وجاہت اور اعلےٰ مناصب پر فائز ہونے کے۔ اور کیا بلحاظ اپنی وسیع زمینداری کے۔

آپ کے والد

صاحب العزت محمد نجیب بک شکری ۳۸ سال تک حکومت مصر میں مجسٹریٹ کے اعلےٰ عہدے پر فائز رہے۔ اور اس سے ترقی کر کے مستشار ہو گئے۔ اور اس اعلیٰ منصب سے ریٹائر ہوئے کے بعد آپ کی ملی و ملکی خدمات کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ اور ہوس آف لارڈز کے ممبر ہو کر زیادہ مفید کام کرنے لگ گئے۔

احمد پاشا شکری

آپ کے دادا صاحب السعادہ احمد پاشا شکری پاشا کے معزز خطاب سے متخرز تھے۔ آپ ایسیڈ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ اور پھر وزارت داخلیہ میں نائب وزیر کے منصب پر فائز کئے گئے۔

محمد پاشا شکری

آپ کے پردادا تھے۔ آپ پہلے ڈیلیگیٹ تھے جو مصر سے حکومت فرانس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ آپ ان چند لوگوں سے تھے۔ جو واضعان قانون مصری ہوئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس خاندان کے جس قدر افراد ہیں۔ وہ سب کے سب معزز اور اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہیں۔

احمد نجیب بک شکری عرب ہیں۔

اس خاندان کے مورثان اعلیٰ مراکش سے مصر میں وارد ہُوئے تھے۔ اور مراکش میں بھی وہ کوئی معمولی درجہ کے عرب نہ تھے۔ بلکہ مشہور و معروف شاہان ادارسہ میں سے تھے۔ پس وہ مصر میں آنے سے قبل بھی ایک شاہی خاندان کے افراد تھے۔ نجیب بک شکری کے چچا صاحب الدولہ اسمٰعیل صدقی پاشا ہیں۔

صدقی پاشا

کا نام مصری تاریخ میں بہت واضح الفاظ میں لکھا جائیگا انہوں نے ملک کی خدمت میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کی ہیں۔ وہ سعد پاشا زاغلول کے اول الانصار میں سے تھے۔ اور خدمات ملی و ملکی کے سلسلہ میں ان کو جلاوطنی کی مصیبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

صدقی پاشا بطور ماہر اقتصادیات

صدقی پاشا مصر میں ایک بہت بڑے ماہر اقتصادیات ہیں۔ وہ کئی مرتبہ وزیر مالیہ مقرر ہُوئے۔ اور جب کبھی وہ وزیر مالیہ ہُوئے۔ ان کا وجود گورنمنٹ کے خزانہ کے لئے بطور ایک

حصار

کے ثابت ہُوا۔ کئی دفعہ گورنمنٹ معر کجیر و نی منڈیوں کے اتار چڑھاؤ کے باعث اور کئی دفعہ ایکسچینج کی وجہ سے مصری حکومت کا خزانہ خطرے میں پڑ جاتا رہا۔ مگر صدقی پاشا کا وجود ایسے وقتوں میں

طوفان میں چٹان

بن جاتا رہا ہے۔ وہ متعدد کمپنیوں کے ڈائرکٹر رہے اور ہیں۔ جن کمپنیوں میں صدقی پاشا نے شرکت کی ملک کے لوگوں نے ان کے وجود کو کامیابی کی گارنٹی یقین کیا۔

صدقی پاشا بطور سیاسی اور وزیر کے

یہاں گنجائش نہیں۔ کہ میں صدقی پاشا کی تمام صفات کو تفصیل سے بیان کر سکوں۔ مگر صدقی پاشا نے ۱۹۳۲ء میں جب وزارت عظمےٰ کا چارج لیا۔ اس وقت وہ حزب الاحرار دستورئین میں ایک بلند مرتبہ لیڈر شمار کئے جاتے تھے۔ وزارت کا چارج لینے سے قبل انہوں نے حزب الاحرار سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ ان کی وزارت قایم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ان کے ساتھ ملک کی کسی سیاسی پارٹی کی طاقت نہیں ہے۔ اور جس وزارت کو ملک کی کسی سیاسی جماعت کا اعتماد حاصل نہ ہو۔ وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ مگر صدقی پاشا ایک نہایت حکیم اور سیاسی آدمی تھا۔ اس نے پارٹیوں اور احزاب کی حالت کو دیکھا۔ اور سواز نہ کیا۔ اور اس نے ملک کی ضرورت کا احساس کرتے ہُوئے ایک

جدید حزب کی بنیاد رکھ دی۔

یہ حزب حزب الشعب تھا۔ حزب الشعب کے عالم وجود میں آنے سے ان خطرات کا ازالہ ہو گیا۔ صدقی پاشا نے اس وقت ملک کی ضرورتوں کو دیکھ کر محسوس کیا۔ کہ ملک میں بڑے لوگ تو سیاستوں میں منہمک ہیں۔ اور عام لوگوں کا ایک بڑا حصہ بے کار ہے۔ جن کو قوت لایموت بھی میسر نہیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا سوال

روٹی کا سوال ہے

صدقی پاشا نے روٹی کی گرانی دُور کرنے کے لئے سرکاری دوکانیں کھول دیں۔ جن میں سستی اور عمدہ روٹی مل سکتی تھی۔ غرباء کے لئے ایسے سرکاری ہوٹل کھول دیئے۔ جن میں ایک قرش میں گوشت روٹی مل سکے۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ خود ان ہوٹلوں میں جاتے اور غرباء کو کھانا کھاتے ہُوئے دیکھتے۔ ان کے آرام کا لحاظ رکھتے۔ ان کھانوں کی پڑتال کرتے۔ اور خود اس کھانے میں سے کھانا کھاتے۔ اس طرح غرباء کی دیکھ بھال کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔

الغرض

صدقی پاشا اپنی سیاست۔ تدبر اور حکمت کے لحاظ سے مصر کے چوٹی کے چند آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ صدقی پاشا ان لوگوں میں سے ایک ہیں۔ جو ہندوستان اور ہندوستانیوں سے محبت کرتے ہیں۔ میں تو ذاتی طور پر ان کی اس محبت کے مظاہرے دیکھ چکا ہوں۔

مگر

اس امر کی ایک بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ ہز ایکسلنسی صدقی پاشا نے احمد نجیب بک شکری کو ہندوستان کی طرف رخصت کرتے ہُوئے کہا۔ کہ

"ہندوستان میں دیکھکر کام کرنا
وہاں ہمارے بہت سے
دوست ہیں"

یہ بات ان کے قلب کی آئینہ دار ہے۔ اُن کو وہم بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ میری یہ آواز ہندوستان پہنچ جائیگی جو انہوں نے اپنے ملک میں اپنے ایک عزیز کو رخصت کرتے ہوئے کہی۔

میرا اس تفصیل سے لکھنے سے یہ مدعا ہے کہ جو شخص ہمارے ملک میں بھیجا گیا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک معزز ترین خاندان کا معزز رکن ہے۔ اور یہ انتخاب ہر لحاظ سے مناسب اور موزوں ہے۔

پس

میں احمد نجیب بک شکری کو ہندوستان کی سرزمین میں اترنے پر

اھلاً وسھلاً ومرحباً

کہتا ہوں۔

اس لئے بھی کہ بہت سے ہندوستانی مصر کی سرزمین میں نہایت امن کی زندگی بسر کرتے ہیں اور روزگار پیدا کرتے ہیں۔ بہت سے ہندوستانی طالبعلم مصری اساتذہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور ازہر یونی ورسٹی ان کی تعلیم کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ ان کے اخراجات کی بھی بہت بڑی حد تک کفیل ہے۔ مصریوں کا ہم پر اس رنگ میں بھی احسان ہے۔ کہ وہ ہمارے ملک کے نوجوانوں کی تعلیم کا ہر طرح اہتمام کر رہے ہیں۔ اس لئے مصری نمائندوں کا ویلکم کرنا ہمارا حقیقی فرض ہو جاتا ہے

قائمقام وائس قونصل

میں یقیناً بہت بڑی فروگذاشت کا مرتکب ہوں گا۔ اگر میں قونصل خانہ کے ایک دوسرے آفیسر کا ذکر نہ کروں۔ میری مراد اس سے

ابراہیم بک امام الدسوقی

سے ہے۔ آپ مصری یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل نوجوان ہیں۔ آپ کا تعلق ایک علم وفضل کے گھرانے سے ہے۔ آپ بالکل نوجوان ہیں۔ اور نہایت ہی وجیہ اور خوش شکل ہیں۔ میں نے آپ کو مجسم شرافت اور مجسم اخلاق پایا۔ میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ جیسا شریف النفس اور کریم الطبع آدمی جس محکمہ میں بھی ہو گا۔ وہ محکمہ ہر طرح قابل تعریف و ستایش ہو گا۔

میں ایسے اچھے اور معزز افسروں کے انتخاب پر حکومت مصر کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور اپنے بھائیوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ اپنے تعلقات کو مصری قونصل خانہ سے مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔

محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم

بقیہ مضمون صفحہ ۱

پابندیٔ عہد عمل کر کے دکھا دیا۔ (چیئرز اور نعرہ ہائے تحسین)

میں ہر ہٹلر اسی سلسلہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ سر ظفر اللہ خاں نے رسول اللہؐ کے واقعہ صلح حدیبیہ کو بیان کیا ہے۔ مگر واقعہ کی پوری تفصیل میرے علم میں ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب رسولؐ کے دشمن مکہ والوں نے رسول اللہؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا اور صلح قرار پائی۔ تو دشمنوں نے جو شرائط پیش کیں۔ ان میں ایک شرط یہ تھی۔ کہ مسلمانوں کا کوئی آدمی مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آجائے گا۔ تو مکہ والے اس کو مسلمانوں کو نہ دیں گے۔ لیکن مکہ والوں کا کوئی آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آجائیگا۔ تو مسلمانوں کو وہ آدمی واپس کرنا ہو گا۔

اس شرط کو سوائے رسولؐ کے اور کسی مسلمان نے نہ مانا۔ سب مسلمان کہتے تھے۔ کہ اس کے ماننے میں ہماری ذلت ہے۔ ان مسلمانوں میں وہ اصحاب بھی تھے۔ جو رسولؐ کی وفات کے بعد دنیا کے فاتح ہُوئے۔ اور جن کی سیاست دانی اور تدبر کا تمام دنیا نے لوہا مانا۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے۔

ان مشہور مدبرین میں ایک شخص بھی دشمنوں کی شرائط کا موئد نہ تھا۔ مگر رسولؐ اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور اکیلے رسولؐ کے مان لینے کے سبب عہدنامہ ہو گیا۔ اور عہدنامہ ہو جانے کے بعد رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کو سمجھایا۔ کہ جو مسلمان ہم سے جدا ہو کر دشمن کے پاس جائے گا۔ وہ اسلام سے مرتد ہو جانے کے سبب جائیگا۔ تو پھر وہ ہمارے کس کام کا ہو گا۔ جو ہم اس کو واپس لینے کی ضد کرتے اور جو دشمن کا آدمی ہمارے پاس آئیگا۔ جب اس کے دل میں اسلام اور ایمان گھر بنا لیگا۔ پھر اگر ہم اس کو واپس کر دیں گے۔ تب بھی وہ اسلام اور ایمان پر قائم رہے گا۔ (دیر تک چیئرز)

اب مجھ ہر ہٹلر کو یہ کہنا ہے۔ کہ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں آج کی سی ووٹ شماری نہ تھی۔ بلکہ رسولؐ کی ایک شخصیت کا حکم مانا جاتا تھا۔

آخر میں ہر ہٹلر کی تمثیل کی حیثیت میں آپ سے کہتا ہوں۔ کہ سر ظفر اللہ خاں نے قرآن اور سیرت رسولؐ پیش کر کے جو اسلامی تعلیم صلح اور جنگ کی بابت بتائی ہے۔ وہ ایسی اعلیٰ ہے۔ کہ میں ہر ہٹلر باوجود ہر قسم کی مادی طاقتیں رکھنے کے اس کے سامنے سر جھکاتا اور تسلیم کرتا ہوں۔ کہ دنیا میں امن اور سچائی کی اصلی صورت بس اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اسلام کی مساوات ہی ایک ایسا اصول ہے۔ جو امیر و غریب

۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء بمقام بمبئی
بعد عصر قریب بہ مغرب

سیرت المہدی کا ایک ورق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبادت اور تبتل الی اللہ

(حضرت عرفانی کبیر کی قلم سے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کا وہ حصہ یا شعبہ جو آپ کے تعلق باللہ اور تبتل الی اللہ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ نہایت شاندار اور خدا نما ہے۔ آپ کی عملی زندگی کے دیکھنے والوں کے بیانات اور مشاہدات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آپ کلیۃً

دنیا سے منقطع اور رو بخدا تھے

اور سچ تو یہ ہے۔ کہ آپ کی فطرت ہی میں خدا تعالےٰ کی طرف ایک خاص کشش رکھی گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس دتاولی کے نام ایک خط اپنے سوانح حیات پر ان کی درخواست مطبوعہ کے جواب میں لکھا تھا۔ اس خط کو آپ نے کتاب البریہ کے حاشیہ میں شائع بھی کر دیا تھا۔ اسی میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"میری زندگی قریب چالیس
برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے
گذری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے
اٹھایا جانا تھا۔ اور ایک طرف
بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ
کا مجھے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں
کر سکتا۔ کہ میرا کونسا عمل تھا۔ جسکی
وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال
ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس
کرتا ہوں۔ کہ فطرتاً میرے دل
کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری
کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی
چیز کے روکنے سے نہیں رُک
سکتی۔ تو یہ اسی کی عنایت ہے"

(البریہ صفحہ ۶۳)

اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں۔ بلکہ واقعات اور آپ کے سوانح حیات اس کی پوری تفسیر کرتے ہیں۔ عہد شباب میں آپ جوانی کی امنگوں اور ترنگوں سے بے خبر تھے گویا آپ پر عہد شباب آیا ہی نہیں۔ اس وقت آپ کا سب سے زیادہ خوش گوار شغل خدا تعالےٰ کی عبادت تھی۔ اس زمانہ کا کلام ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی محبت اور وفا کے نشہ میں سرشار تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

من نہ پیچم سر از تو اے جاناں
دامن خود ز دست من برہاں
من ز ماد برائے تو زادم
ہست عشقت غرض زایجا دم
سوئے دیگر کسے بہیں بہ حضور
کہ دلدارم بس ہست غفور
دل بہ دنیائے دوں چرا بندیم
ما بیار عزیز خورسندیم
دل ز عشق کسے بتپید مرا
اے مبارک کسے کہ دید مرا
روئے دلدار بر دلِ من تافت
دلِ من مقصد دو عالم یافت
بر سرِ ہر صدی بروں آید
آں کہ دلدار راہبے شاید
نفس را ہر کہ از میان انداخت
شب و روز گشت و رہ شناخت
تا مرا بر رخ تو سودائی ست
از خلایق نہ غم نے پروائے است
خلق در کاروبار خود ہوشیار
ماہ چو مستاں فتادہ بر در یار

تنہائی اور خلوت کی عبادت

خلوت کی زندگی ہی پسند تھی،

حضرت مسیح موعود طبعی طور پر خلوت کی زندگی کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے کہ گوشہ تنہائی میں عبادت اور توجہ الی اللہ کے لئے آپ کو موقع ملتا تھا۔ اور آپ اسی لذت و ذوق میں سرشار رہنا چاہتے تھے مگر خدا تعالیٰ کی مشیت اور قدرت نے آپ کو اس گوشہ سے باہر نکالا۔ یہ گوشہ خلوت آپ نے جاہل فقیروں اور دنیا کے حریص اور بزدل پیروں کے رنگ پر اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ ابتدائے جوانی سے آپ کی طبیعت اسی رنگ میں رنگین تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

ابتدا سے گوشہ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار
پر مجھے تو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا
میں نے کب مانگا تھا تیرا ہی ہے سب برگ و بار

دنیا اور اس کے تعلقات سے آپ اس قدر منقطع الی اللہ تھے۔ کہ دنیا کے کسی کام اور شغل کی طرف توجہ ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی عہد شباب میں آپ نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ جس کو میں سوانح حیات کے صفحہ ۷۲ پر درج کر آیا ہوں۔ اس میں آپ نے لکھا۔ کہ:۔

"نظر برآں دل از دنیا سرد شدہ است
و رو از خوف جاں زرد و اکثر ایں دو
مصرعہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی
بیاد مے آیند۔

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار
مباش ایمن از بازیٔ روزگار

و نیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ
قادیانی نمک پاش جراحت دل میشود ؎

بدنیائے دوں دل مبندائے جوان
کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

لہٰذا مے خواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ
تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم
بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول
شوم۔ مگر گذشتہ را عذرے و مافات
را تدارکے شود ؎

عمر گذشت و نماند است جُز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اس مکتوب پر مجھے کسی تبصرہ اور ریمارک کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا مطلب اور مفہوم خود بیان کر رہا ہے یہ مکتوب ایسے وقت میں لکھا گیا۔ جب کہ آپ پورے شباب پر تھے۔ دنیا کی دلفریبیاں اور امنگیں سامنے ہوتی ہیں۔ مگر نہیں آپ کو عبادت الٰہی میں ہی مزا ملتا تھا۔ اور اسی کے لئے آپ دنیا سے الگ ہو جانا چاہتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اگر آپ کو امر الٰہی باہر نہ لاتا۔ تو آپ خلوت ہی کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ:۔

"اگر خدا تعالےٰ مجھے اختیار دے۔ کہ
جلوت اور خلوت میں سے تو کس کو
پسند کرتا ہے۔ تو اسی پاک ذات
کی قسم ہے۔ کہ میں خلوت کو
اختیار کروں مجھے تو کشاں کشاں
انہوں نے میدان عالم میں نکالا ہے
جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے
اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف
ہے۔ میں قریباً ۲۵ سال تک خلوت
میں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایک لحظہ کے
لئے بھی نہیں چاہا۔ کہ دربار شہرت
کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس
سے کراہت رہی ہے۔ کہ لوگوں میں
مل کر بیٹھوں۔ مگر امرِ آمر سے مجبور
ہوں" فرمایا:۔

"میں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے کو
جاتا ہوں۔ اور لوگوں سے بات چیت
کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ
کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے"

یہ خلوت گزینی کی عادت ایسی تھی۔ کہ آپ باوجود مامور ہو جانے کے بھی اپنے وقت کا کچھ حصہ تنہائی میں عبادت الٰہی کے لئے بسر کرتے۔ اور جب آپ نے بعض حالات کے ماتحت سیالکوٹ میں بصیغہ ملازمت قیام کیا۔ اس وقت بھی آپ کا معمول یہی تھا۔ کہ خلوت نشیں رہتے۔ چنانچہ اس زمانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے سیالکوٹ میں جب ۱۹۰۴ء میں لیکچر دیا تو فرمایا:۔

"میں وہی شخص ہوں۔ جو براہین احمدیہ
کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال
پہلے اسی شہر میں قریباً سات سال
رہ چکا تھا۔ اور کسی کو مجھ سے
تعلق نہ تھا۔ اور نہ کوئی میرے
حال سے واقف تھا۔ . . . . . .
میں اس وقت ایک گمنام آدمی تھا
اور احد من الناس تھا اور میری
کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ
میں نہ تھی۔ مگر وہ زمانہ میرے
لئے نہایت شیریں تھا کہ انجمن
میں خلوت تھی۔ اور کثرت میں
وحدت تھی۔ اور شہر میں ایسا
رہتا تھا۔ جیسا کہ ایک شخص
جنگل میں"

حضرت مسیح موعود کے ان حالات کی تائید مخدومی سید میر حسین صاحب کی تحریر سے ہوتی ہے۔ جو آپ نے میرے استفسار پر حضرت کے قیام سیالکوٹ کے

حالات پر مشتمل لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے فرمایا:-

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بہ تقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے۔ اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول اور لغو سے مجتنب اور محترز رہتے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا موجب ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔"

(صفحہ ۵۹ حیات النبی حصہ اوّل)

یہ زمانہ آپ کی اہلکاری کا تھا۔ اور اہلکار پھر عدالتوں کے اہلکار عام طور پر لوگوں سے تعلقات بڑھاتے اور ان کی نشست گاہیں مرجع عوام ہو جاتی ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود نے کبھی اس کو پسند نہ کیا۔ مولانا میر حسن صاحب نے آپ کی زندگی کے متقیانہ ہونے کا ثبوت دیا۔ اور آپ کی گوشہ گزینی کو اعراض عن اللغو کا ذریعہ بتایا ہے۔

ایسا قادیان کے ایک معزز رئیس سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم نے مجھ سے خود بیان کیا۔ کہ ایک مرتبہ ہم جموں گئے تھے۔ حضرت مسیح موعود بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔ جموں پہنچکر حضرت کا کام بجز قرآن شریف کی تلاوت اور نماز کی پابندی کے اور کچھ نہ تھا۔ آپ ہمیشہ ان امور میں منہمک رہتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عین عنفوان شباب میں ڈلہوزی کے سفر کئے۔ جو آپ کو حضرت والد صاحب مکرم کے ارشاد کی تعمیل میں مقدمات زمینداری کی پیروی کے لئے کرنے پڑے۔ آپ حسن مردانہ کا ایک بہترین اور مکمل نمونہ تھے۔ خاندانی وجاہت اور عہد شباب کے علاوہ کامل آزادی۔ اور وہ پہاڑی علاقہ جو اپنی بدچلنی کے لئے مشہور ہے۔ مگر ان خوشنما نظاروں۔ بہتے ہوئے آبشاروں میں آپ جس چیز کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے۔ وہ صرف عبادت الٰہی تھی۔ چنانچہ آپ ان ایام سفر کے عجائبات سناتے ہوئے جس چیز کا ذکر خصوصیت سے فرماتے۔ وہ یہ تھا کہ

"جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا۔ تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھکر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا۔ اور عبادت میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقعہ ہے۔"

مجھے حضرت کے اس کلام پر کسی تنقید کی ضرورت نہیں انسانی جذبات اور کیفیات کا اندازہ اس کے بے تکلف کلام سے بآسانی ہو جاتا ہے ان قدرتی مناظر میں جو چیز آپ کے لئے باعث مسرت اور موجب جذب ہے۔ وہ خدا کی حمد۔ عبادت اور اس کے لئے خلوت کا میسر آنا ہے۔ یہ آپ کی اس فطرت سلیمہ کا صحیح نقشہ ہے۔ جو آپ نے بیان کی۔ خدا تعالےٰ سے ایک فطرتی کشش ہے۔

میں نے جب جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے ان کلمات طیبات کو سنا۔ مجھ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ یہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح نقشہ ہے۔ ایک عیسائی مصنف ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی لائف آف محمد میں اسی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کے ساتھ محبت و وفا کا تذکرہ اس طرح پر کرتا ہے کہ:-

"جس (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جس کو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کی قدرت نظر آتا تھا۔ اور غرش رعد و آواز آب اور طیور کے نغمہ حمد الٰہی میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں میں اور پرانے شہروں کے کھنڈرات میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے۔"

ڈاکٹر اسپرنگر کے ان الفاظ کو پڑھو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نقشہ کو دیکھو۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا الفاظ پر غور کرو۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے آئینہ وجود میں نظر آتے ہیں اور اور اس میں ذرا بھی شبہ اور کلام نہیں رہ جاتا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہیں۔

پھر

کسی شخص کے تعلقات باللہ کے دیکھنے اور جانچنے کا ایک وہ بھی وقت ہوتا ہے۔ کہ جب وہ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی مصروفیت اور جاذب طبیعت امر میں لگا ہوا ہو۔ اس قسم کی مصروفیتوں اور کششوں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان تمام صورتوں کی تفصیل تو کر نہیں سکتا۔ البتہ بطور مثال کے چند امور کا ذکر کروں گا۔ اور ان میں سب سے پہلے میں جس چیز کو لیتا ہوں۔ وہ حکومت کے متعلق کاروبار کا سلسلہ ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ جب حکومت کے کسی محکمہ کی طرف سے کوئی طلبی آتی ہے۔ تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لئے اس وقت تک بے قرار رہتا ہے جب تک کہ وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہو جاوے۔ خصوصاً مقدمات میں لوگ برستی ہوئی بارشوں اور کڑکتی ہوئی بجلیوں اور ہوا کے طوفانوں میں اپنے مقدمات کی پیروی اور جوابدہی کے لئے وقت مقررہ سے پہلے پہنچ جانا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ اہمیت اور مصروفیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ مقدمات کی حیثیت اور صورت بڑی اہم ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے عہد شباب میں حضرت والد صاحب مرحوم کے ارشاد عالی کی تعمیل کو سعادت سمجھکر اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے تھے۔ اور پیروی کے لئے جاتے تھے۔ یہ مقدمات زمینداری کے حقوق ملکیت کے تحفظ کے لئے تھے۔ وہ زمینداری جو ایک شاندار حکومت اور سلطنت کا بقیہ رہ گئی تھی۔ جو نہ صرف خاندان کی ضرورتوں کے لئے ایک ذریعہ تھی۔ بلکہ خاندان کی عظمت کا زمانہ ماضی میں ایک شاندار پہلو رکھتی تھی۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت والد صاحب قبلہ نے ان مقدمات پر ستر ہزار روپیہ صرف کیا تھا۔ ان مقدمات کی پیروی میں آپ جاتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا۔ کہ آپنے مقدمات کو عبادت الٰہی پر مقدم کیا ہو آپ کی زندگی میں کوئی ایسا موقعہ اور واقعہ پیش نہیں آیا۔ کہ مقدمہ پیش ہو رہا ہو۔ اور نماز کا وقت ہو۔ اور آپ نے نماز کو چھوڑ دیا ہو۔ اور مقدمہ کی پیروی کے لئے چلے گئے ہوں۔ بلکہ عین کچہری میں نماز کا وقت آجانے پر آپ اسی طرح مشغول ہو جاتے تھے۔ کہ گویا آپ کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا۔ کہ آپ نماز میں مصروف ہیں۔ اور ادھر مقدمہ کی پکار ہوئی۔ مگر آپ اسی طرح اطمینان قلب کے ساتھ نماز میں مصروف رہے۔ اور بعد فراغت نماز بھی گھبراہٹ اور بے قراری سے کمرہ عدالت میں نہیں گئے۔ بلکہ پورے وقار اور سکون کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔

میں جو ان حالات کے لکھنے والا ہوں۔ حضرت کی زندگی کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اور مقدمات گورداسپور میں برابر ساتھ رہا اور دیکھتا رہا۔ کہ ایک دن بھی ایسا نہیں آیا۔ کہ آپ گھبراہٹ اور عجلت کے ساتھ عدالت میں گئے ہوں۔ یا نماز کا وقت آنے پر آپ نے تساہل فرمایا ہو۔ اس زمانہ میں جبکہ آپ دنیا میں کسی دعویٰ ماموریت کے ساتھ نمایاں نہ تھے اور حضرت والد صاحب مکرم کی طرف سے پیروی مقدمات کرتے تھے۔ ان ایام میں بھی یہی حالت تھی۔

بٹالہ کا مقدمہ

چنانچہ بٹالہ میں ایک مقدمہ کے حالات میں آپ نے فرمایا۔ بلکہ آپ نے بطور نشان کے اس واقعہ کو شائع کیا ہے کہ:-

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی۔ مگر میں نماز میں تھا فریق ثانی پیش ہو گیا۔ اور اس نے یکطرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور بہت زور اس بات پر دیا مگر عدالت نے پرواہ نہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا۔ اور مجھے ڈگری دیدی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا۔ تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا۔ کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں۔"

یہ ایک واقعہ نہیں۔ تمام مقدمات میں آپ کا یہی طرز عمل تھا۔ یہاں تک کہ مقدمہ قتل میں جو آپ کے خلاف امرتسر کے پادریوں نے خلق کیا تھا۔ اس میں بھی آپ کا عمل اور دستور رہی تھا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں مقدمہ کے وقت میں آتی تھیں۔ آپ نے ہمیشہ وقت پر ان نمازوں کو ادا کیا۔ البتہ ظہر اور عصر کی نماز جمع کر لیا کرتے تھے۔ تاکہ وقت تنگ نہ ہو جائے۔

تنہائی اور تخلیہ میں آپ کی دعائیں

تنہائی اور خلوت میں آپ دعاؤں کو پسند کرتے تھے۔ اور دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔ ایسے اوقات میں آپ بعض خاص دعائیں بھی کیا کرتے تھے۔ جو آپ کے معمولات میں سے تھیں چنانچہ آپ کی آڑے وقت کی دعا کے نام سے موسوم دعا۔ جس کو سب سے پہلے خاکسار عرفانی نے ہی پبلک کیا تھا۔ آپ نے یہ دعا ۲۰ اگست ۱۸۸۵ء کو حضرت حکیم الامت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو لکھی تھی۔ جب کہ ان کا تیسرا لڑکا بیمار تھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا تھا۔ کہ:-

"رات کے آخری پہر میں اٹھو۔ اور وضو کرو۔ اور چند دوگانہ اخلاص سے بجالاؤ۔ اور دردمندی اور عاجزی سے یہ دعا کرو:-

اے میرے محسن اور اے خدا میں تیرا ایک ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا۔ اور انعام پر انعام کیا۔ اور گناہ پر گناہ دیکھا۔ اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی۔ اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر۔ اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما۔ اور مجھ کو اس غم سے نجات بخش۔ کہ بجز تیرے اور کوئی چارہ گر نہیں۔ آمین۔ ثم آمین!!

مگر مناسب ہے۔ کہ ہر وقت اس دعا کے فی الحقیقت دلی کامل جوش سے اپنے گناہ کا اقرار اور اپنے مولےٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف کرے۔ کیونکہ صرف زبان سے پڑھنا کچھ چیز نہیں۔ جوش دلی چاہیئے۔ اور رقت اور گریہ بھی۔ یہ دعا معمولات اس عاجز سے ہے۔ اور درحقیقت اس عاجز کے مطابق حال ہے۔"

(مکتوب ۲۰ اگست ۱۸۸۵ء)

اس سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ تہجد کس طرح پڑھا کرتے تھے۔ دوم اس دعا کو آپ خصوصیت سے تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ اپنے معمولات میں سے قرار دیتے ہیں۔ تیسرے رقت اور گریہ بھی اس وقت آپ کے شامل حال رہتی تھی۔ ایک چوتھی بات بھی اس سے پائی جاتی ہے۔ کہ آپ کا ایمان خدا تعالیٰ پر بہت قوی اور پر امید تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سب سے پیاری تھی۔ اور وہ جس چیز کو آپ اپنے لئے مشکل کشا یقین کرتے تھے۔ دوسروں کو اس طریق سے واقف کرنے میں قطعاً مضائقہ نہ فرماتے تھے۔

ایک ہی وقت میں دوسروں کی ہمدردی کا جوش اور خدا تعالےٰ سے آپ کے تعلقات اور تقرب کا پتہ چلتا ہے۔ یہ دو کیفیتیں ہیں۔ جو خدا تعالےٰ کے مخلص اور محبوب بندوں میں پائی جاتی ہیں۔ جن کو صوفیوں کی اصطلاح میں صعود اور نزول بھی کہتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کے مقام کی طرف ان کا صعود ہوتا ہے۔ اور اس سے وہ فیض باری کو لے کر پھر اس کی مخلوق کی طرف نزول کرتے ہیں۔ اور ان برکات سے دوسروں کو بہرہ مند کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے اس دعا کے ذریعہ ایک خاص فیض پایا تھا۔

اسے دوسروں کو پہنچانے میں دریغ نہ فرمایا یہ بات اس مقام کے لحاظ سے شاید ضروری نہ تھی۔ میں ذوقِ سخن میں کہہ گیا۔ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی عادت شریف اور معمول میں یہ امر داخل تھا۔ کہ آپ تنہائی اور خلوت میں دعاؤں پر خاص زور دیا کرتے تھے۔ اور ان دعاؤں میں آپ کی یہ حالت ہوتی تھی۔

کہ رقت اور گریہ کا بھی غلبہ ہوتا تھا۔

اور اس رقت اور گریہ کا غلبہ بعض اوقات اس حد تک ہوتا تھا۔ جیسے ایک بچہ اپنی ماں کے فراق میں یا اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے روتا ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

"جوش اجابتش کہ بوقتِ دعا بود
زاں گونہ زادیم نہ شنیداست مادرم"

آپ کے کلام میں آپ کے اس گریہ و بکا کی بہت سی شانیں جلوہ گر ہیں۔ اور مختلف رنگوں میں اس کا اظہار ہوا ہے۔ کہیں فرمایا:۔

"کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا
مہر و ماہ کی آنکھ غم سے ہو گئی تاریک و تار
اس تپش کو میری وہ جانے کہ رکھتا ہے تپش
اس الم کو میرے وہ سمجھے کہ ہے وہ دلفگار"

اور کبھی کہا:۔

چرخ تک پہنچے ہیں میرے نعرہ ہائے روز و شب
پر نہیں پہنچی دلوں تک جاہلوں کے یہ پکار

اور کبھی اپنے جوش گریہ۔ اور رقت قلب۔ اور قبولیت دعا کا بجا طور پر نعرہ بلند کیا ہے یہ کہکر کہ:۔

"عمارتِ ہمہ دوناں خراب خواہم ساخت
اگر گریہ بر غم گسار خود بکنم"

اور کبھی قوم کو اپنے مصائب اور مشکلات عذاب سے محفوظ رہنے کا طریق اس طرح پر بتایا:۔

"اندریں وقت مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریہ اسحار نیست"

غرض آپ کے خشوع و خضوع کی شان آپ کے کلام سے نمایاں ہے۔ ان اوقات خصوص میں آپ کا رونا بعض اوقات دوسروں کو بھی سنائی دیتا تھا اور آپ باوجود صاحب وقار اور مستقل مزاج اور اپنے جذبات پر پورے قادر ہونے کے اس طرح پر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ کہ

کوئی مثال اسکی نہیں مل سکتی

اس گریہ و بکا کو آپ نے اس سے بھی زیادہ بتایا ہے جو دردِ زہ کے وقت کوئی عورت تکلیف اور کرب سے روتی ہو۔

مگر جو چیز اس گریہ و بکا میں نمایاں نہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ نے کبھی مصائب و مشکلات پر گریہ و بکا کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے اپنے کسی عزیز سے عزیز کی وفات پر بھی رونے دھونے کا مظاہرہ کیا ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ آپ کو غم نہ ہوا ہو۔ بشریت کے لوازمات سے آپ خالی نہ تھے۔ بلکہ بہت رقیق القلب واقع ہوئے تھے۔ لیکن ایسے موقع پر آپ سے رضا بالقضاء کے اخلاق کا ظہور ہوا۔ اور استقلال اور ضبط کا نمونہ نظر آیا۔ آپ کا گریہ و بکا محض دعاؤں سے مخصوص ہے۔ اور وہ بھی ان دعاؤں سے جو آپ تخلیہ اور تنہائی میں کرتے تھے۔ اور پھر ایک اور خصوصیت نظر آئیگی۔ کہ آپ ان دعاؤں میں سب سے زیادہ روتے دھوتے تھے۔ جو احیائے اسلام اور حمایت مسلمین کیلئے کرتے تھے اپنی ذات اپنی اولاد اور متعلقین کے لئے آپ کی دعاؤں کا طریق دوسرا تھا۔ مگر جو چیز آپ کے سینہ میں سب سے زیادہ قابل رحم اور محتاج دعا تھی۔ وہ اسلام تھا۔ میں چند اشعار آپ کے کلام سے یہاں لکھ دیتا ہوں۔ جو آپ کی سیرت کے اس خصوص پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

میں ہوں ستم رسیدہ ان سے جو ہیں رمیدہ
شاہد ہے آبِ دیدہ واقف بڑا یہی ہے
میں دل کی کیا سناؤں کسکو یہ غم بتاؤں
دکھ درد کے ہیں جھگڑے مجھ پر بلا یہی ہے
ہر جا زمیں کے کیڑے دیں کے ہوئے ہیں دشمن
اسلام پر خدا سے آج ابتلا یہی ہے
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو یہ دیکھ کر کہ ہر سو
اس غم سے صادقوں کا آہ و بکا یہی ہے
دیں غار میں چھپا ہے اک شور کفر کا ہے
اب تم دعائیں کر لو غارِ حرا یہی ہے

قوم و ملت کے غم میں جب خدا تعالےٰ کے حضور روتے اور چلاتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں:۔

ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
یارب نجات بخش ازیں روز پر شرم
گر خوں شد است دل زغم و درد شاں چہ شد
ہست آرزو کہ سر برود ہم از شرم
یارب بآب چشم من ایں کسل شان بشو
کامروز تر شد است ازیں درد بسترم
یارب بہ زار یم نظرے کن بلطف و فضل
جز دستِ رحمت تو دگر نیست یاورم

غرض آپ کی سیرت کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ جہاں اپنی ذات اپنے اعزا و اقارب کو کسی قسم کی تکلیف یا صدمہ پہنچا ہے۔ اور عزیز سے عزیز وجود موت کے ذریعہ آپ سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اس وقت آپ نے صبر و استقامت اور رضا بالقضا کا کامل نمونہ دکھایا۔ لیکن مصائب اسلام و مسلمین پر آپ نے راتوں کو روتے ہوئے دن کر دیا۔ آپ کے کلام میں آپ کی دعاؤں میں جہاں بھی اس قسم کا ذکر آتا ہے۔ اور آپ کے پاس رہنے والے خدام کی جہاں تک شہادت عینی ملتی ہے۔ آپ اپنی خلوت کی عبادت میں یعنی تہجد کے نوافل میں خصوصیت سے دوسرے اوقات کے نوافل میں بالعموم خشوع اور خضوع کے اس مقام تک پہنچ جاتے تھے۔ کہ آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ اور پاس والے بھی بعض اوقات جاگ اُٹھتے تھے۔ چنانچہ حضرت حافظ حامد علی صاحب رضی اللہ عنہ جو حضرت کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔ اور حضرت کو ان سے محبت تھی۔ آپ کی عبادت تہجد کے متعلق بیان کیا کرتے تھے۔ مجھ سے بھی یہ روایت انہوں نے بیان کی تھی۔ اور حضرت صادق صاحب بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت حافظ حامد علی صاحب کی روایت

"اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میں پہلی رات حضرت صاحب کے پاؤں دبانے کے لئے آپ کی چارپائی پر بیٹھ جاتا تھا۔ مگر پاؤں دباتے دباتے خود بھی اسی چارپائی پر سو جاتا تھا حضرت صاحب مجھے کبھی نہ جھڑکتے۔ نہ خفا ہوتے اور نہ جگاتے بلکہ تمام رات میں وہاں سویا رہتا۔ اور معلوم نہیں حضرت خود کس حالت میں گذار دیتے تھے۔ مگر میں آرام سے سوتا تھا۔ تہجد کے وقت حضور ایسی آہستگی اور خاموشی سے اُٹھتے۔ کہ مجھے کبھی خبر نہ ہوتی۔ لیکن گاہے گاہے جب کہ آپ کی آواز خشوع و خضوع کے سبب بے اختیار بلند ہوتی۔ مجھے خبر ہو جاتی۔ اور میں شرمندہ ہو کر اُٹھتا۔ لیکن بے خبری میں سویا رہتا۔ تو حضور مجھے نماز فجر کے واسطے اُٹھاتے۔ اور مسجد میں ساتھ لے جاتے۔

حافظ حامد علی صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضور نماز میں اھدنا الصراط المستقیم کا بہت تکرار کرتے۔ اور سجدہ میں یاحی یاقیوم کا بہت تکرار کرتے۔ بار بار یہی الفاظ بولتے۔ جیسے کوئی بڑے الحاح اور زاری سے کسی بڑے سے کوئی شے مانگے اور بار بار روتے ہوئے اپنی چیز کو دہرائے ایسا ہی حضرت صاحب کرتے عموماً پہلی رکعت میں آیۃ الکرسی پڑھا کرتے تھے۔ اور سجدہ کو بہت لمبا کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس گریہ و زاری میں آپ پگھل کر بہ جائیں گے نماز تہجد کے واسطے آپ پابندی سے اٹھا کرتے تھے فرمایا کرتے تہجد کے معنے ہیں سو کر اُٹھنا۔ جب ایک دفعہ آدمی سو جاوے اور پھر نماز کے واسطے اُٹھے تو وہی اس کا وقت تہجد کا ہے۔ عموماً آپ تہجد کے بعد سوتے نہ تھے۔ صبح کی نماز تک برابر جاگتے رہتے۔

غرض آپ کا معمول جو دعاؤں کا تھا۔ میں نے اس کے متعلق بتایا ہے۔ کہ بعض دعائیں خصوصیت سے آپ تہجد کی نماز میں کیا کرتے تھے۔ اور آپ اشراق کی نماز کو بھی اپنی دعاؤں کا خاص وقت قرار دیتے تھے۔ اور وہ بھی خلوت کی عبادت ہے۔ چنانچہ مکرمی مخدومی نواب محمد علی خاں صاحب کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ یہ مکتوب نواب صاحب کے بڑے صاحبزادہ میاں عبد الرحمٰن خاں صاحب کی علالت کے ایام میں لکھا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"میں خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے بہت توجہ سے دعا کرتا رہوں گا دو خاص وقت ہیں (۱) وقتِ تہجد۔ (۲) اشراق۔ ماسوا اس کے پنج وقت نمازیں انشاء اللہ دعا کروں گا"

شاہانِ اسلام کی رواداریاں

مکرمی مہاشہ فضل حسین صاحب نے باوجود ناسازی طبع کے ایک جدید کتاب عنوان بالا کے نام سے شائع فرمائی ہے۔ یہ کتاب درسی کتابوں کے سائز پر ۷۸ صفحے کی ہے۔ اور مجلد ہے۔ مہاشہ صاحب کا طریق تحریر بالکل نرالا ہے۔ وہ

جادو وہ جو سر پر چڑھکر بولے

کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مخالفین کی زبان سے سچائی کا اقرار کروا کر چھوڑا ہے۔ آپ اس سے قبل تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول۔ ہندو راج کے منصوبے ہندو ریاست کے داؤ پیچ۔ اچھوتوں کی حلت زار مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج۔ ایسی کتابیں ہیں۔ جو مندرجہ بالا اصول کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ خود مخالفین کے منہ سے سچائی کا جہاں جہاں اظہار ہوا ہے۔ اسے جمع کر دیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد کوئی مسلمان کسی مخالف کے سامنے کیا۔ اسلامی تفوق کے متعلق۔ اور کیا ہندوستان کے اسلامی پالیٹکس کے متعلق کبھی جھک نہیں سکتا۔ بلکہ مخالفوں کو اپنے بھائی بندوں کے مسلّمہ عقیدوں اور اقوال کی بنا پر شکست کھانی پڑے گی۔

وقت کی ایک بڑی ضرورت

جیسے سابقہ کتابیں مسلمانوں کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے کا باعث ہوئیں۔ بالکل ویسے ہی ایک ضرورت اس وقت مسلمانوں کے سامنے تھی۔ ہندو جماعتوں کی طرف سے شاہانِ اسلام کے خلاف نہایت گندے اور متعصبانہ الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اور یہ الزامات سلاطین سلف کے متعلق ہی نہیں۔ بلکہ آج بھی اس گئے گذرے زمانے میں جو مسلمانوں کی دو چار ریاستیں کھڑی ہیں۔ ان کے بادشاہوں پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد دکن کا جدید فتنہ بھی اسی قسم کے بے سرو پا الزامات کا نتیجہ تھا ہندو ہر جا کہ ہر مجلس اور ہر جلسہ میں ایسے الزامات نہایت دلیری سے لگاتے ہیں۔ مہاشہ صاحب نے اس قسم کے الزام لگانے والوں کا منہ ایسے اچھے طریق سے بند کر دیا ہے۔ کہ اس کے بعد اب کسی کو اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی جرأت نہ رہے گی۔ ہندو مصنفین کی زبان سے بادشاہوں کی رواداریاں کا اعتراف اس عمدگی سے اس کتاب میں دکھایا گیا ہے۔ کہ پڑھکر بے اختیار مہاشہ صاحب کے لئے دعا نکلتی ہے۔ کتاب کا طرز تحریر ایسا ہے کہ میں نے ایک ہی مرتبہ میں اسے پڑھکر ہاتھ سے رکھا وہ مسلمان جو اس قسم کے اعتراضات کا صحیح جواب چاہتے ہیں۔ وہ اس کتاب کو خود پڑھیں اور اپنے بچوں کو اور مستورات کو پڑھائیں۔ اور اس کتاب کے مضامین کو ذہن نشین کرائیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ کہ ضرورت ہے۔ کہ اس کتاب کو بکثرت ہندوؤں، عیسائیوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں مفت تقسیم کیا جائے۔

جو احباب اس کتاب کو منگوانا چاہیں۔ وہ دفتر ترقی اسلام قادیان سے ۶/ قیمت پر طلب کر سکتے ہیں۔

بالآخر

میری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مہاشہ صاحب کو کامل صحت عطا فرمائے۔ تا وہ ملک و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ خدمات سرانجام دے سکیں۔

رسالہ المبشر کا مصر نمبر

میں نے ماہ نومبر کی ۵ تاریخ کو المبشر کا ایک نمبر مصر نمبر کے نام سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے مضامین لکھ رہا ہوں۔ جو لوگ ایک اسلامی ملک یعنی مصر کے متعلق اپنی معلومات مکمل کرنا چاہتے ہوں۔ ان کے لئے یہ نمبر ایک نہایت عجیب چیز ہوگا۔ معلومات بالکل درست اور حقیقی ہونگی سیاسی اور تاریخی دنیا میں دو چیزیں جمع کر دی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور

ایک مردانہ ہمت عورت

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی قلم سے

عہد گذشتہ کا ایک عجیب واقعہ

تیرہ کے عدد کو عام طور سے بُرا اور منحوس سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی تیرھویں صدی کے متعلق کچھ ایسی روایات اور حالات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ کہ اُن کے خیال سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے اور بدن پر رعشہ نمودار ہونے لگتا ہے۔ اُن احوال کا تصور اتنا زہرہ گداز اور روح فرسا ہوتا ہے کہ خدا کے فضل کی امید اور اس کی تائید و نصرت کا سہارا نہ ہوتا۔ تو روحانی دنیا کا تو گویا خاتمہ ہی تھا تیرھویں صدی کا آخری نصف گویا خدا کی جگہ شیطان کی حکومت کا زمانہ اور کفر و شرک۔ گناہ و فسق۔ عیاری و مکاری اور روحانی فساد کا زمانہ تھا دہریت کا غلبہ مادیت کا زور اور بے دینی کا چرچا تھا۔ شیطانی طاقتیں اپنے سارے لاؤ لشکر سمیت حق کو مٹانے، روحانیت کو دبانے اور صداقت کو دفنا دینے پر تُلی ہوئی تھیں۔ دجال کا ظہور ہو کر تسلط پاتا جا رہا تھا۔ ہر جگہ اڈے قائم کر کے بندوں کو خدا سے پھیرنے کے سامان جمع کئے جاتے مشن کھول کر۔ دانہ بکھیر کر جال بچھائے جاتے کہ بھولے بھالے نوجوان آسانی سے ان کا شکار ہو کر متاع ایمان تک سے محروم ہو جاتے۔ اُن کے پادری۔ اُن کے مناد اپنے رنگ میں کام کرتے۔ تو عورتیں اپنے طریق پر۔ سکولوں میں ماسٹر تو ہسپتالوں میں ڈاکٹر کہیں نرسیں تو کہیں ننیں۔ الغرض ہر سو چار دانگ عالم میں انہی کا شہرہ۔ انہی کا چرچا اور انہی کا غلبہ نظر آتا تھا۔ کوئی شہر ان سے خالی تھا نہ کوئی قصبہ بانی۔ بلکہ قریہ بقریہ اور دیہہ بدیہہ یہ صیاد اپنے شکار کی تاک میں رہا کرتے کہیں یہ شکار کے پیچھے تو کہیں شکار ان کے پیچھے پھرتے۔ کیونکہ دنیا کے کئی دکھوں کا درماں ان کے ہاں اور کئی بیماریوں کی دوا اس زمانہ میں انہی کے پاس ملا کرتی تھی۔

ڈنگہ نامی ایک چھوٹا سا قصبہ ضلع گجرات (پنجاب) میں واقع ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ جو عموماً زراعت پیشہ۔ مزدوری پیشہ اور مفلوک الحال غربت زدہ لوگ تھے کیونکہ اس زمانہ میں اراضیات زیادہ تر بارانی و بنجر تھیں۔ نہر کا کوئی انتظام نہ تھا دوسرے بڑے بڑے شہروں اور قصبات و دیہات کی طرح یہ مقام بھی پادری و مناد کی خاص توجہات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور لوگ چونکہ اس دور کی تہذیب و اخلاق اور تعلیم و مذاق سے بے بہرہ اور کورے تھے۔ لہٰذا عیسائی مشن اور چرچ اُن کو مہذب و باخلاق بنانے۔ زیور تعلیم سے آراستہ کر کے بامذاق بنانے کی غرض سے وہاں پہنچا۔ مشن قائم ہوا۔ سکول جاری کیا۔ ہسپتال کھولا۔ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و وصیت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہوتے ہوتے اُن کا سکہ جم گیا۔ کام چل نکلا۔ نوجوان طبقہ پر ڈورے ڈالے جانے لگے۔ کوئی دقیقہ حصولِ مقصد کا اٹھا نہ رکھا گیا۔ سارے ذرائع اور تمام وسائل پوری عقلمندی سے استعمال کئے جاتے رہے۔ اور اس طرح اندر ہی اندر نئی پود پر گویا اُن کا ایسا قبضہ و تصرف ہو گیا۔ نوجوانوں کو ایسی کچھ چاٹ لگی۔ کہ خود بخود کھچے چلے آتے۔ بے بُلائے جمع رہتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ روکے رکتے نہ ہٹائے ہٹتے

"یہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے"

ایک پارٹی بن گئی۔ جس نے والدین اور رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کر لیا۔ مگر پادری صاحبان کی کوٹھی گھر یا مکان و بیٹھک کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ کئی نے والدین کو کھلے نوٹس دے دیئے۔ کئی چپکے سے گھروں کو چھوڑ وہیں پہنچے۔ جہاں مناد وں نے اشارہ کیا۔ بڑے بڑے معزز گھرانے بگڑنے لگے۔ کہیں لڑکوں کی خرابی کا رونا تھا۔ تو کہیں لڑکیوں کے بگڑنے کا۔ غرض ایک طوفان تھا۔ جس کی زد میں کئی شریف خاندانوں کی عزت و ناموس کے تابوت بہتے اور ڈوبتے دکھائی دے رہے تھے۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ شیخ کا استثنا تھا نہ امیر و غریب کا۔ کئی گھرانے میرے علم میں ہیں۔ اور کئی نام میرے سامنے ہیں۔ مگر میں اس وقت صرف ایک دو ہی کا ذکر کرتا ہوں

صوبیدار سردار امام بخش کے گھرانے میں بھی سیندھ لگی۔ نہایت ہی خفیہ رنگ میں۔ نامعلوم راہوں سے یہ دجالی کوبرا ان کے خاندان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ شاہنواز کا پوتا۔ علی محمدؐ کا اکلوتا احمد دین نام بھی ڈس لیا گیا۔ زہر تیز تھا۔ ایسا کہ اس کے اتر جانے کی کوئی امید ہی باقی نہ تھی۔ بیمار جاں بلب اور منٹوں ہی کا مہمان تھا۔ قافلہ تمام زنجیریں توڑ۔ دوگیں اٹھا، رخت سفر باندھ کر کسی جانب بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور اس گھرانے کے جلکر تودہ خاک ہو جانے میں کسر اب صرف ایک دیا سلائی دکھا دینے ہی کی رہ گئی تھی۔ خدا نے رحم کیا۔ کوئی نیکی آڑے آئی۔ کسی کے ہاتھ کا دیا کام آیا۔ احمد دین نے راز فاش کر دیا۔ سازش کا انکشاف ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ خود بھی بچا۔ اور کئی ساتھیوں کے بھی بچاؤ کا موجب بنا۔ اگرچہ اکثر بد نصیب اب بھی نہ بچ سکے۔ اور نکل ہی گئے۔

اس خاندان میں احمدیت پہنچ چکی تھی۔ کاسر الصلیب مسیحائے زماں کے نام کا سایہ اور علم کلام کا چرچا تھا۔ صوبیدار صاحب کے صاحبزادے شیخ مولا بخش صاحب بیعت و ایمان کے زیور سے آراستہ ہو کر دارالامان سے روحانی رشتہ جوڑ چکے تھے۔ اور یگانے بیگانوں کو اس نور سے منور کرنے اور اس چشمہ حیوان پر لانے میں ساعی و کوشاں تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ اس زہر کا تریاق کہاں ملتا ہے اور ایسے روحانی مریضوں کو جام شفا کس جگہ سے میسر آ سکتا ہے۔ اس سازش کا بھانڈا پھوٹتے ہی انہوں نے اپنے عزیز کو اُس مکدر فضا اور مسموم آب و ہوا سے نکال دارالامان پہنچایا۔ جہاں پہنچتے ہی زہر اترنے لگا۔ بیمار چنگا ہوتا گیا اور خدا کا فضل ہے۔ کہ آج تک زندہ سلامت نور ایمان سے منور اسی در کا گدا دھونی رمائے پڑا ہے۔ اللہ کرے عاقبت بھی محمود ہو۔ آمین۔

اسی محلہ میں بلکہ اسی کوچہ میں سردار صاحب کے زیر سایہ ایک شخص عبداللہ نام قوم کے مراثی پیشہ کے بٹواری کا بیٹا محمد دین نام بھی اسی مرض میں مبتلا اور اسی صیاد کا صید ہو کر عیسائیت کے گڑھ گجرانوالہ پہنچایا جا چکا تھا۔ محمد دین میں قوت دافع کی بجائے قبولیت کی استعداد اور جذب کا مادہ غالب تھا۔ اس نے عیسائیت کا اثر قبول کیا۔ اور ایسا گہرا رنگ پکڑا۔ جس کا اتر جانا کچھ آسان نہ تھا۔ والدین اور بھائی بہنوں سے جدا ہو کر وہ ایسا غائب ہوا۔ کہ کچھ عرصہ تو پتہ ہی نہ چلا۔ کہ گیا کہاں اور رہے کدھر۔ مدت بعد جب اس کی خبر ملی۔ تو اس کی حقیقی ماں جو اس کے فراق میں بے قرار۔ اس کی جدائی سے بے چین رات دن رونے دھونے میں بسر کیا کرتی تھی۔ ماستا سے مجبور۔ غیرت کے مارے۔ مسلمانی کے نام اور ناموس کے بچانے کی نیت سے کمر ہمت باندھ نیت سادھ کھڑی ہوئی۔ خاوند سے بصد منت اجازت لے کر گجرانوالہ پہنچی۔ جہاں اس کا لخت جگر اور نور نظر نہ معلوم کتنے پردوں اور سخت اوٹوں کے پیچھے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ہمت اس کا اصرار اس کا استقلال حصول مقصد میں اس کا معاون بنا۔ اس کے دل میں مامتا اور مامتا کے ساتھ ایک درد تھا۔ تڑپ تھی اور سچی خواہش۔ زبان صاف تھی اور مافی الضمیر کے بیان پر قادر۔ جس سے سنگدل صیاد بھی موم ہو گئے اور اس طرح وہ مدت سے بچھڑے بیٹے کو ملنے میں کامیاب ہو گئی۔

دردِ ہجر و فراق سے چور۔ فلاکت زدہ اور محزون دل ایک حقیقی ماں اور بیٹے کی ملاقات کا منظر ہر آنکھ دیکھ اور ہر دل محسوس کر سکتا ہے۔ جس نے آغوش مادر کی لذت چکھی۔ اور اس کی محبت و لطف سے حصہ پایا ہو۔ ان تفاصیل کو چھوڑتا اور قصہ مختصر کرتا ہوں ماں نے دل کھول کر بھڑاس نکالی۔ گویا کلیجہ نکال کر بیٹے کے سامنے رکھ دیا۔ اور انتہائی کوشش کی۔ سارا زور لگایا۔ کوئی طریق نہ چھوڑا بیٹے کو سنبھالنے اور اس کا دل نرم کرنے کا۔ مگر بیوڑ یہ وہ نشہ ہی نہ تھا جسے ترشی اتار دے۔

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

ناچار دل کو تھامے یوں تسلی دیتی ہوئی لوٹی۔ اچھا زندہ رہو پھر ملوں گی۔ ملنے کی راہ تو کھل گئی۔

یہ ملاقات ہوئی اور گو بے نتیجہ نکل گئی۔ مگر وہ مردانہ ہمت مایوس ہوئی نہ تھکی۔ بلکہ اس کے دل میں امید کی ایک جھلک اور کامیابی کی ایک شعاع پیدا ہو گئی۔ اور وہ بجائے اداس و ناشاد واپس جانے کے ایک خوشی اور امید بھرا دل لے کر واپس ہوئی گھر پہنچی حال احوال لیا دیا۔ مگر گھر اسے کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی دلچسپی کی ایک ہی چیز تھی۔ مگر گھر اس سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ ناچار کچھ عرصہ بعد تھوڑا وقفہ دیکر وہ پھر وہیں پہنچی۔ جہاں اس کی آنکھ کا تارا اور دل کا سہارا قید فرنگ میں اسیر و محبوس ایک آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ گو نتیجہ وہی ڈھاک کے تینوں پات اور امید وہی موہوم تھی۔ محمد دین اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ سرکا۔ بلکہ اور زیادہ سخت اور سیاہ دل ہو کر ہدایت سے دُور اور کفر سے بھرپور ہو چکا تھا۔ اس کے حیا کی چادر پھٹ کر پارہ پارہ اور زبان کی قینچی اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اور اس طرح اس کی ماں اگرچہ اب بھی بظاہر ناکام اور بے نیل مرام آ گئی مگر اس کے دل میں ایک چیز تھی۔ جس کی وجہ سے وہ پر امید ہی تھی۔

پھیلاں (فضل بی بی۔ فضل بیگم یا فضل النساء) خود ایک سیدھی سادھی مسلمان نماز روزہ کی پابند عورت تھی۔ ملکی رواج کے مطابق کچی پکی اور میٹھی روٹی کتابیں اس نے سنی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی قادیان کا نام اور سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام بھی شیخ مولا بخش صاحب کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچ چکا تھا۔ شیخ احمد دین صاحب کے قادیان پہنچ کر دجالی فتنہ سے محفوظ ہو جانے کا چرچا بھی وہ سن چکی تھی۔ نیز دوڑ دھوپ اور کوشش کے علاوہ دعا کا نسخہ بھی اس کو مل چکا تھا۔ خدا اس کے رسولؐ اور اپنے دین یعنی اسلام کے لئے اس کے دل میں ایک غیرت اور حمیت موجود تھی۔ وہ اپنی نمازوں میں رو رو کر دعائیں کرتی اور خدا سے مدد مانگنے میں مصروف رہنے لگی۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا۔ کہ خدا نے اس کی سُن لی۔ اس کی آہ و زاری اور اضطرار پر رحم کیا۔ اور ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ جن سے "پھیلاں" کے مقصد کے حصول کی راہیں کھل گئیں اس کے دل کی آگ نے بخار بن کر محمد دین پر حملہ کیا۔ اس کی قلبی جلن اور سوزش پہلے محرقہ بنکر

سے جلاتی رہی۔ اور آخر سل اور دق کیموت میں اس پر مسلط ہو گئی۔ علاج معالجے اور ڈاکٹری تدابیر بے کار رہیں۔ اور جب حالت نازک سے نازک تر ہو گئی۔ مجبور ہو کر محمد دین کی ماں کو اطلاع دی گئی۔ وہ پہنچی اور لڑکے کو نیم جان پایا۔ منت خوشامد کر کے اپنے لڑکے کو گھر لے جانے کی اجازت حاصل کی۔ جس کے لئے مشن پہلے ہی تیار اور کسی بہانہ کی انتظار میں تھا۔ عورت کے سر احسان رکھا اور محمد دین کی گویا لاش ہی اس کے حوالے کی۔ جس کو لے کر وہ گھر پہنچی۔ علاج معالجہ اور مقدور بھر اس کی خدمت کی۔ جس سے وہ کچھ سنبھلا۔ اور مرض میں بھی افاقہ ہوا۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ تو اس کی ماں نے شیخ مولا بخش صاحب کے پاس اس کی نشست برخاست کا انتظام کیا۔ جہاں سلسلہ بحث مباحثہ اور سوال جواب ہوا کرتے۔ مرض اس کے دونو سخت تھے۔ جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ جسمانی مرض کا دفعۃً عارضی اور وقتی تھا۔ تو روحانی بیماری بھی اس درجہ تک ترقی کر چکی تھی۔ کہ شیخ صاحب کے بس کی نہ تھی۔ حالات کا مطالعہ کر کے شیخ صاحب نے "بچیلاں" کو یہی مشورہ دیا۔ کہ جس طرح ہو سکے لڑکے کو لے کر قادیان پہنچے۔ جہاں روحانی اور جسمانی دونو امراض کے مکمل علاج کے اللہ کریم نے سامان مہیا فرما رکھے ہیں۔

عورت کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ ذات برادری گلی محلے بلکہ شہر بھر میں وہ منہ چھپائے پھرتی اور ذلت بدنامی اور رسوائی کے خیال سے گھر سے نکلتی ہی کم تھی۔ شیخ صاحب کا مشورہ اس کے دل لگا۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اور اس نے سفر کی تیاری کر کے بیٹے کو علاج کی غرض سے اس سفر کے لئے رضامند کر لیا۔ گاڑی میں بیٹھ بیٹے سمیت دوسرے ہی دن بٹالہ اور وہاں سے بذریعہ ابکہ قادیان پہنچ گئے۔ لڑکے کو مہمانخانہ یا مطب میں ٹھیرا کر خود حضرت اقدس کے دولت سرائے میں گئی۔ اور ساری کہانی اپنی زبانی حضرت کے حضور بالتفصیل عرض کر کے چین لیا۔

مقربانِ بارگاہ عالی۔ خاصان حضرت متعالی۔ مقبولان حق تعالیٰ۔ محبوبان حضرتِ والا۔ جنہیں اللہ العالمین اپنے علم کامل اور قدرت تام سے خلعتِ رسالت و نبوت عطا فرماتا۔ تبلیغ تزکیہ اور تطہیر اُن کا منصب مقرر کرتا۔ اور ان کو علیٰ خلقٍ عظیم قایم کر کے اعلیٰ اخلاق ستودہ صفات اور زیور حسنات دیکر دنیا جہان کے لئے اُسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجتا ہے۔ اُن کا ہر خلق انتہائی کمال اور اُن کی ہر ادا عدیم المثال رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اُن کے ظاہر و باطن میں یگانگت اور قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے۔ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ وہی زبان پر آتا ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ وہی کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ اُن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے نہ اُن کے ظاہر و باطن میں اختلاف۔ خدا کا وہ تعلق محبت جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر و رنگ ان کے جوارح اور اعمال میں عیاں ہوتا ہے خدا کے رسولوں کی جو محبت اور اُن کی جو عزت و عظمت اُن کے قلوب میں موجزن ہوتی ہے۔ وہ ان کی تحریر میں نمایاں اور تقریروں میں بیان ہوتی رہتی ہیں۔

علیٰ ہذا خلق خدا اور بنی نوع انسان کی سود بہبود ہمدردی و بھلائی کے لئے جو جذبات اُن کے دل و دماغ میں پنہاں ہوتے ہیں۔ اپنے عمل سے اُن کو منصۂ شہود پہ لاتے اور "معدوم" کو معرض وجود میں لاکر

"از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست"

کی نظیر، مثال اور نمونہ پہلے خود قایم کیا کرتے ہیں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو سابق بالخیرات اور قول

انا اول المومنین

کہنے میں احق اور اولیٰ ہوتے ہیں۔

میرے آقا سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ نفسی نے اپنے محبوب و مقتدا سیدنا المصطفیٰ

محمد الرسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ایسی محبت کی۔ اتنا تعلق بڑھایا۔ ایسی الفت کی۔ اور اتنا پیار کیا۔ کہ فنائیت کے مقام پر پہنچ کر

من تو شدم تو من شدی

کا مصداق بن گئے۔ اور کامل پیروی کامل اطاعت کر کے اپنے آپ سے گم اور اپنے مطاع میں ایسے فنا ہوئے۔ کہ گویا اسی ذات بابرکات کا ظہور رہے۔ وہی علم۔ وہی عرفان۔ وہی نور۔ اور وہی ایمان وہی اخلاق وہی اطوار۔ اور وہی حسن وہی جمال

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی شان اور وہی مقام ہے۔ میں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ وہی کہتا ہوں۔ جو خود خدا نے بتایا اور رب الافواج نے آسمان سے کہا۔ اور خدا سے بڑھ کر کون حقیقت حال سے واقف اور اپنے بندوں کے مقام سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ وہی آپ کو

جری اللہ فی حلل الانبیاء

کے نام سے یاد فرماتا ہے۔ اور درحقیقت یہی آپ کی صحیح تعریف اور یہی آپ کا اصل مقام ہے۔ غرض اللہ کریم نے حضور پر نور کو اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی اور محبت و غلامی کے باعث اتنا منور کیا۔ کہ نور ہی بنا دیا۔ اور اتنا فیض بخشا۔ کہ چشمۂ فیوض کر دیا۔ آپ کا ہر خلق کامل اور ہر ادا پیاری تھی۔

زہے خلق کامل زہے حسنِ تام

مگر اس موقع پر میں حضور کے جس خلق اور جس ادا کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ حضور کی صفت

دلجوئی و دلداری

ہے۔ جو آپ کے اوصاف میں خاص طور سے نمایاں تھی۔ اس کا فیض اس کثرت و وسعت سے جاری رہتا کہ حضور کی زندگی میں اس کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ میں تو اس یقین پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں۔ کہ حضور کی صحبت کا فیض یافتہ ہر خوش نصیب حضور کی اس صفت کی زندہ دلیل اور سچی مثال ہے۔ کیونکہ میرے ذوق میں حضور کی مجلس کا وہ مسلم و مشہور خاصہ۔ اثر اور نتیجہ کہ کتنا ہی کوئی رنج و غم سے چور انسان، مغموم و مہموم بشر اور شداید و مصائب کے پہاڑ تلے دبا ہوا بالکل افسردہ و پژمردہ بندہ جب بھی

حضرت کا چہرہ

دیکھ پاتا۔ حضور کی مجلس میں پہنچ جاتا۔ تو تمام رنج و غم اس کے دور اور ہم و حزن اس کے کافور ہو جاتے۔ ایک سکینت ہوا کرتی تھی۔ جو نامعلوم طریق پر افسردہ دلوں پر نازل ہو کر اُن کی افسردگی کو تازگی سے بدل دیتی تھی۔ ایک طمانیت ہوا کرتی تھی۔ جو اندر ہی اندر خستہ جانوں کی خستہ حالی و پژمردگی کو تازگی و رونق دیکر خوشحال و خورسند بنا دیا کرتی تھی۔ دنیا کے ہر غم کا علاج اور ہر رنج کی دوا گویا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار صحبت اور مجلس تھی۔ ایسا معلوم ہوا کرتا تھا۔ کہ حضور کا وجود باجود گویا

امن و عافیت کا ایک حصار

ہے۔ جس کی پناہ لینے والا ہر خوف سے بے خوف اور ہر بلا کی زد سے محفوظ ہو گیا۔ حضور کی ذات والا صفات کے فیوض و برکات کی ادنیٰ سی مثال موجودہ روشنی اور تہذیب و تمدن کی مناسبت سے یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ حضور پُر نور کی مثال ایک

عظیم ترین پاور ہوس

یا خزانہ نور کی تھی۔ جس کے سوئچ کے آف سے آن ہوتے ہی ساری ظلمتیں کافور ہو کر نور کا ظہور ہو جایا کرتا تھا۔ اور یہ ساری کیفیات ساری تاثیرات اور سارے ثمرات حضور کے۔ اسی وصف اسی خلق اور اسی جذبہ کا نتیجہ و ثمرہ تھے۔ جو حضور کے

قلب سلیم و حلیم

میں خالق فطرت کی طرف سے حضور کو ودیعت کیا جا چکا تھا۔ اور حضور نہایت فیاضی اور فراخدلی سے ابر بہار کی مانند ہمیشہ اس کا استعمال فرماتے اور فیض جاری رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کی صحبت و مجلس کا یہ اثر۔ ثمرہ اور نتیجہ اسی خلق عظیم کی لطیف روحانی برقی لہروں اور شعاعوں کا اثر تھا۔ جو حضور کے دل سے نکل کر صحبت پانے والوں اور ہمنشینوں کو متاثر کیا کرتی تھیں۔

یہ تو تھا مخفی۔ غیر مرئی اور نامعلوم اثر حضور کے اس خلق و جذبہ کا جو حضور کے دل کی گہرائیوں میں ایک حسن پنہاں اور لعل بدخشاں کی طرح حضور کی کان قلب میں موجود تھا۔ ظاہر میں اس کا کیا اثر تھا۔ عملاً حضور اس قوت سے کتنا کام لیا کرتے۔ اور خلق خدا سے کیونکر پیش آیا کرتے تھے۔ افسوس میں عاجز ہوں۔ اس کے بیان سے اور قاصر ہوں اس کے اظہار سے۔ گنگ محض ہوں۔ طاقت گویائی نہیں کہ اس کے عشر عشیر کا بھی بیان کر سکوں۔ کوتاہ قلم بلکہ کوتاہ دست ہوں۔ اتنا کہ اس حقیقت و کیفیت کا شائبہ بھی سطح قرطاس پر نہیں لا سکتا۔

دلداری و دلجوئی

کرنے میں حضور مادر مہربان سے کہیں زیادہ مہربان اور شفیق سے شفیق باپ سے کہیں بڑھ کر شفیق تھے۔ خلق خدا کی ایسی دلداری فرماتے اور اتنی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ کہ کیا کوئی ماں باپ کسی عزیز ترین اکلوتے کی بھی کر سکیں گے۔ دنیا میں ایسا کون ہے۔ جو دوسروں کا غم اٹھائے۔ بیگانوں کا درد بانٹے اور اُن کے مصائب و آلام اپنے گلے ڈال لے؟ مگر میرے آقا سچ مچ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ غمزدوں کے غم اٹھاتے۔ رنجوروں کے رنج خود سہتے۔ اپنی جان پر بوجھ ڈالتے۔ اور اُن کو رنج و غم سے آزاد کر دیا کرتے تھے۔ کتنا ہی کوئی مفلوک الحال اور درد و غم سے

نڈھال ہوتا۔ حضور اس طرح دلداری فرماتے۔ ایسی دلجوئی کرتے۔ کہ وہ رنج و غم کو بھول جاتا۔ غریب سے غریب اور ناتواں و کمزور بھی حضرت کو اپنا ہمدرد۔ غمخوار اور بہی خواہ سمجھ کر حاضر ہوتا۔ بے تکلف عرض حال کرتا۔ اور حضور کے لطف و کرم سے حصہ پاتا۔ کتنی طویل کہانی۔ بے معنی قصہ بے محل راگ اور بے ہنگام بانگ کوئی کہتا چلا جاتا حضور سنتے اور سنتے۔ نہ روکتے نہ ٹوکتے۔ بلکہ اس طرح توجہ فرماتے۔ جس سے اس کی دلداری و دلجوئی ہوتی۔ کتنی ہی کوئی چھوٹی چیز۔ ادنےٰ سی خدمت۔ معمولی سا ہدیہ کوئی پیش کرتا۔ مٹھی بھر بیر ایک دو گنے یا چند بھٹے مکی کے۔ حتیٰ کہ حقیر ترین رقوم کو یوں قبول فرماتے۔ اتنا نوازتے اور پیش کرنے والے کا اس طرح شکریہ ادا فرماتے۔ جیسے کسی نے بھاری خزانہ یا نعمتوں کا انبار پیش کر دیا ہو۔ کیونکہ حضور کی نظر درہم و دنیا اور نذر و نیاز سے دُور آگے نکل کر اس دل اور اس کی نیت و اخلاص اور محبت و پیاس پر پڑا کرتی تھی۔ جس سے وہ چیز پیش کی جاتی۔ غلطی پر گرفت و سختی کی بجائے لطف فرماتے۔ چشم پوشی کرتے اور الٹا دلجوئی فرما کر نوازتے۔ دل بڑھاتے۔ غلطی سے کسی نے قیمتی چیز۔ ضرورت کا سامان گرا دیا۔ پھینک دیا۔ یا بگاڑ دیا۔ تو ناراضگی و سرزنش کی بجائے ایسا طریق اختیار فرماتے۔ کہ اس کو ندامت و شرمندگی سے بھی بچا لیتے۔ اور

دلجوئی اور دلداری

بھی فرما دیتے۔ میرے سامنے حقائق اور واقعات ہیں۔ دل و دماغ میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں اور ان سب سے بڑھ کر میری آنکھوں میں وہ صورت اور قلب کے اندر وہ موہنی مورت جلوہ فگن ہے۔ جو نذر و نیاز اور تحفے تحائف سے کر اتنا خوش نہیں ہوتی۔ جتنا خلق خدا کی ضرورت میں دیکر یا اس کی حاجت پوری کر کے یا اس کی خدمت یا مدد کرنے اور سلوک فرمانے سے۔ قیمتی سے قیمتی چیز اپنے خدا کے نام پر خالصاً للہ ایتاء ذی القربیٰ کے طریق پر دینے میں بھی کبھی حضور کو دریغ نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کستوری اور مشک تک جیسی قیمتی، نایاب اور اشد ضروری ادویہ جن کی موجودگی خود حضرت والا کی اپنی ذات کے لئے لازمی ہوا کرتی حندہ پیشانی فراخدلی اور کشادہ دستی سے بلا امتیاز مذہب و ملت بلا لحاظ اپنے اور پرائے بغیر حساب دیا کرتے اور دیکر بے انتہا خوشی بشاشت اور مسرت پایا کرتے تھے۔ اور ان چیزوں کا بہترین مصرف، انتہائی قیمت اور حقیقی قدر اسی عمل میں پاتے۔ کہ وہ چیز حضور کے محبوب و مطلوب اور مقصود کی مخلوق کے کام آ گئی۔ اس کی حاجت روائی ہو گئی۔ اور اسکی ضرورت پوری ہو گئی۔

نہ صرف اسی پر بس تھی۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوا کرتا۔ کہ حضور کسی غلام اپنے خادم یا مخلص دوست مرید کی خواہش محسوس کر کے اس کی کسی حرکت۔ عمل یا طرز کلام سے۔ خداداد فراست اور نور علم سے یا کسی خدائی تحریک و تصرف کے ماتحت علم پا کر بعض چیزیں بطریق

دلداری و دلجوئی

خود بخود ان کے پیش فرما دیا کرتے تھے۔

مجھے اس بات کا صدمہ اور انتہائی رنج ہے۔ کہ میں ان ساری کیفیات کے اظہار و بیان سے عاجز ہوں۔ نہ ہی مجھ میں طاقت ہے۔ اور نہ ہی یہ مختصر مضمون ان باتوں کا متحمل ورنہ حضور کے اخلاق کا یہ حصہ اور حضور کے حسن و خوبی کا یہ پہلو ضخیم کتاب بلکہ کئی مجلدات میں بھی نہیں سما سکتا۔ کیونکہ اس کے مختلف پہلو بے انداز تفاصیل اور لاتعداد مثالیں اور واقعات موجود ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ

دل بدست آور کہ حج اکبر است

کے مقولہ کی صحیح تصویر اور عملی نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگرچہ لاکھوں کاملوں نے دنیا کے سامنے رکھا۔ مگر ان سب سے بڑھکر ہی کامل و منفرد ہستی تھی۔ جس کی نظیر چودہ سو سال میں دوسری جگہ نہیں آسکتی۔

پھیلاں میاں محمد الدین کی والدہ کی ہمت میں مردانگی اور جو اس میں فرزانگی تھی۔ بات کرنے کا طریق مافی الضمیر کے ادا کرنے کی توفیق اس کے رفیق تھی۔ اس طریق اور ایسے رنگ میں اس نے اپنی مصیبت اور درد دل کا اظہار کیا۔ کہ حضرت کو اس کے حال پر رحم آیا۔ حضور نے اسکی دلجوئی فرمائی۔ سہارا اور تسلی دی۔ جس سے اسس کو ڈھارس بندھ گئی۔ اور مقصود اسے نزدیک نظر آنے لگا۔ اور اب وہ دھرنا مار دھونی رما کر ہی حضور کے در پہ بیٹھ گئی۔

حضرت نے ان کے قیام طعام کا انتظام فرما دیا۔ جسمانی علاج کے لئے حضرت نور الدین اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تاکید فرما دی۔ اور روحانی مرض کے استیصال کی طرف حضور نے خود توجہ دینی شروع فرمائی۔ اکثر ظہر کی نماز کے بعد اور پھر شام کی نماز کے بعد دربار لگتا۔ میاں محمد الدین کو بلوا لیا جاتا۔ اور ان کو اپنے اعتراض و شبہات پیش کرنے کا موقعہ دیا جاتا۔ جن کے جوابات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود دیا کرتے۔ اور میاں محمد الدین کو نہایت محبت نرمی اور توجہ سے حضور سمجھایا کرتے۔ اور ان کے ایک ایک شبہ و اعتراض کا حل فرمایا کرتے۔ اس سلسلہ نے طول پکڑا۔ اور غالباً کئی ماہ تک ناغے اور وقفوں کے ساتھ جاری رہا۔ مگر

چند ہی روز میں یہ بات کھل گئی۔ کہ محمد دین کی نیت بخیر نہیں۔ اور کہ اس میں طلب حق اور تحقیق کی خواہش بھی موجود نہیں۔ وہ کسی مجبوری کے ماتحت محض دفع الوقتی کرتا اور کسی موقعہ کی تاک میں رہتا ہے۔ ایک بات کے متعلق وہ خود اقرار کرتا ہے کہ حل ہو گئی۔ مگر دوسرے وقت اسی پہ اڑ بیٹھتا۔ صبح کو تسلیم کرتا۔ مان لیتا۔ اور شام کو انکار اور انکار پر اصرار کرنے لگتا۔ بعض اوقات تیج ضد ہٹ اور کج بحثی پر اتر آتا۔ کہ صاف معلوم ہوتا۔ کہ شرارت اور خباثت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر حضور مصلحت اور حکمت سے نظر انداز کرتے چشم پوشی فرماتے۔ اور ٹال کر گفتگو روک دیا کرتے۔ اس کے دل کا زنگ اور کفر و انکار کی سیاہی اتنی سخت۔ گہری اور بسیط ہو چکی تھی۔ جس کے دور کرنے کے لئے بے مجاہدہ۔ غیر معمولی محنت اور بھاری توجہ کی ضرورت تھی۔ اس کے دل کی زمین اتنی خشک اور ایسی سنگلاخ ہو چکی تھی۔ کہ کوئی دلیل کارگر ہوتی تھی نہ برہان۔ اس کی فطرت کج اور سینہ سیاہ تھا۔ جس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھ جانے کی گنجائش ہی باقی نظر نہ آتی تھی۔ وہ کنوئیں کی ایک

کوری ٹنڈ

بن چکا تھا۔ جو کبھی ادھر لڑھک جاتی کبھی ادھر اور اس طرح اس کے تلون کے باعث اس کا کوئی اعتبار ہی نہ رہا تھا۔

روحانی مرض کی طرح اس کے جسمانی مرض کا بھی یہی حال تھا۔ اس میں بھی اتار چڑھاؤ کا غیر متناہی سلسلہ اور مد و جزر رہا کرتا تھا۔ کبھی تو حالت اس کی سنبھل جاتی۔ اور وہ بھلا چنگا نظر آنے لگتا اور کبھی وہی پہلی حالت عود کر آیا کرتی۔ اور وہ بالکل مردہ بن کر رہ جاتا۔ اور گھڑی پل کا مہمان نظر آنے لگتا۔ اس کی ماں نہایت ہوشیاری سے اس کی نگرانی رکھتی۔ اور حالات کا مطالعہ کرتی رہتی تھی اس کے تلون۔ کج بحثی اور ضد اور شرارت کے حالات سے متاثر ہو کر وہ گھبرا جایا کرتی۔ اس کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا کہیں بادا حضرت ناراض ہو کر تنگ آ کر اسکی بدبختی معلوم کر کے ہی دستکاری نہ دیں۔ یا جواب ہی نہ دے دیں۔ وہ اکثر چلایا کرتی اور رو دھو کر جاہل بیٹے کو سمجھایا کرتی۔ وہاں وہ حضرت کے حضور بھی بصد منت و الحاح درخواستیں کرتی۔ التجائیں کرتی۔ کہ حضور نے خدا کیلئے دستگیری فرمائی ہے۔ محمد دین کی بدزبانی۔ شرارت اور سختی کو خیال میں نہ لائیں۔ خدا کے واسطے رحم کر کے چشم پوشی فرمائیں۔ درگذر کریں۔ اور اس کا ہاتھ نہ چھوڑ دیں۔

"ایک مرتبہ کلمہ پڑھا دیں"

پھر چاہے مر جائے۔ مجھے اس کا غم نہیں۔ فکر ہے تو یہی کہ کافر نہ مرے"

بات دراصل یہ تھی۔ کہ والدہ اس کی اسے علاج کرانے کے وعدہ سے لائی تھی۔ اور وہ بھی اسی خیال سے رضامند ہو کر اس کے ہمراہ چلا آیا تھا۔ کہ حضرت مولانا نور الدین اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام نامی اور اسم گرامی طبی دنیا کے بلند ترین منار اور شہرت کے عالی مقام پر نمایاں طور سے کندہ ہو چکا تھا۔ ورنہ اگر اسے یہ وہم بھی ہوتا کہ اس کی ماں اس کی روحانی بیماری کے علاج کو مقدم سمجھ کر قادیان لا رہی ہے۔ تو یقیناً وہ موت کو اس سفر پر ترجیح دیتا۔ اور اپنے گھر یا گجرانوالہ سے باہر ایک قدم بھی نہ اٹھاتا۔ کیونکہ حقیقت یہی تھی۔ کہ اس کفر و شرک کا زہر اس کے جسم کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر چکا۔ اس کے خیالات پر قبضہ و تصرف پا چکا تھا۔ اور

کفارہ مسیح کا خون

کچھ ایسا اس کے گوشت پوست میں رچکر جزو بدن ہو گیا تھا۔ کہ ان چیزوں کا اس کے جسم و جان سے نکالنا یا خیالات سے دور کرنا قریباً ناممکن ہی ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب اسے یہ علم ہو گیا۔ کہ اس کی جسمانی بیماری کے علاج کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی امراض کی بیخ کنی کے بھی سامان ہیں۔ اور دلائل و براہین ایسے قوی۔ کفر شکن اور لاجواب ہیں۔ جن کے جواب کی اس میں تاب ہے نہ برداشت۔ تو اس نے اس سے بچنے کی کوشش کی۔ کبھی اس نے بیماری کا عذر کر کے مجلس میں آنے سے گریز کیا۔ تو کبھی ضد۔ کج بحثی اور بدزبانی کر کے بات سننے سے پرہیز کیا۔ پہلو بدلتا رہتا۔ موقع ٹال دیا کرتا۔ اور یہاں تک بھی شرارت کرتا۔ کہ بدزبانی۔ گستاخی اور بے ادبی پر اتر آتا۔ کہ شاید یہی راہ اس کی نجات اور قادیان سے بچاؤ کی ہو جائے۔ حضور ناراض ہو کر نکال دیں۔ یا کوئی طیش میں آ کر مار بیٹھے تو غرض پوری اور مدعا حاصل ہو جائے۔

دوسری طرف اس نے خفیہ خفیہ بٹالہ کے عیسائیوں سے جوڑ توڑ اور ساز باز کرنا شروع کر دیا۔ ان کی امداد کی امید پر اور زیادہ دلیر بے باک اور نڈر ہو کر گستاخی اور شرارت میں بڑھنے لگا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ دو تین مرتبہ قادیان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ تا بٹالہ پہنچ کر قلعہ بند اور محفوظ ہو جائے۔ مگر اپنی

مردانہ ہمت مائی

کی ہشیاری چستی اور بہادری کی وجہ سے ہر مرتبہ اپنے مقصد میں ناکام اور حیلوں میں نامراد رہا۔ اور کبھی بھی قادیان سے باہر نہ نکل سکا۔

مصلحت الہٰی سے روحانی اور جسمانی دونو طبیب کامل تھے۔ اس کی لمبی بیماری سے گھبرائے نہ تھکے۔ اس کی بے اعتدالیوں اور بد پرہیزیوں سے اکتائے نہ مایوس ہوئے۔ بلکہ پورے استقلال۔ تحمل اور ضبط سے اس کے علاج میں لگے رہے۔ گالی گلوچ کی پرواہ کی نہ شرارت و گستاخی کی۔ پورے صبر۔ چشم پوشی اور درگذر سے کام لیکر اس کے گند دھوتے۔ ناسور صاف کرتے اور محبت سے مرہم پٹی کرتے رہے۔ نہ کسی طمع کی امید سے نہ کسی خدمت و سلوک کے خیال اور اجر و جزا کی رجا پر بلکہ خالصاً للہ محض اسی کی بھلائی کی نیت اور اس خیال سے کہ شاید چنگا ہو کر خدا کے غضب کی آگ سے نجات پا جائے۔ کفر و شرک کی مار اور نبیوں کی توہین کی لعنت سے بچ سکے۔

پھیلاں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و احسان اور عطا و سخا اور اخلاق کریمانہ کو دیکھتی۔ اور اپنے لڑکے کی کرتوتوں کے خیال سے مری جا رہی تھی۔ ندامت اور شرم سے اس کا سر جھکا رہتا۔ اور ہر وقت حضور کی رحمت و شفقت کے گیت گاتی دعائیں دیتی رہتی تھی۔ اس کی بے قراری و اضطرار دیکھا نہ جایا کرتا تھا۔ جس دلی تڑپ اور منت و سماجت سے وہ عورتوں۔ مردوں اپنے اور بیگانوں سے دعاؤں کے لئے التجا کیا کرتی تھی۔ اس کا نقش آج تک دماغ میں قائم اور دل میں موجود ہے۔ اس کی تمنا۔ اس کی آرزو اور یہی اس کی خواہش ہوا کرتی تھی۔ کہ اس کا بیٹا توبہ کرے سچے دل سے اور

ایک بار کلمہ پڑھ لے

پھر چاہے دوسرے ہی دن مر جائے۔ مرے تو مسلمان ہو کر کافر نہ مرے"

محمد دین پڑھا لکھا میٹرک پاس نوجوان تھا۔ قادیان میں رہتے کئی ماہ گذر چکے تھے حضرت نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطب میں اس کی رہائش اور نشست برخاست تھی۔ جہاں ہر رنگ ہر مذاق اور ہر مذہب و ملت کے لوگ آیا کرتے تھے امیر غریب کا کوئی امتیاز تھا نہ مسلم غیر مسلم کا۔ ایک قسم کا کھلا درویشانہ دربار تھا۔ جو سبھی کے واسطے یکساں و برابر کھلا رہتا تھا۔ کوئی آتا کوئی جاتا کسی کو روک تھی نہ ٹوک۔ محمد دین کو ہر قسم کی آزادی تھی۔ کوئی پابندی یا نگرانی جماعت کی طرف سے اس پر ہرگز نہ تھی۔ البتہ اسکی ماں اس کے حالات و عادات کی واقف و راز دار ہونے کی وجہ سے اس کی نقل و حرکت کی نگرانی عقلمندی اور ہوشیاری سے ضرور کیا کرتی تھی۔ باقی بول چال۔ گفتگو اور بات چیت کی اسے کسی سے بھی روک نہ تھی۔ لمبے عرصہ تک رہنے کی وجہ سے نہ صرف مقامی لوگ اس سے واقف اور وہ ان سے آشنا ہو چکا تھا۔ بلکہ مضافات قادیان اور گورداسپور۔ بٹالہ وغیرہ کے لوگوں سے بھی اس کے تعلقات ہو چکے تھے۔ صحت جسمانی اس کی بہتر ہو رہی تھی۔ بلکہ مطب میں رہ کر وہ طب کا مشتاق اور نسخہ جات کی تلاش و دھن میں رہنے لگا۔ اور اس طرح وہ خود نیم حکیم تو ضرور بن گیا تھا۔

ایک روز جون کے مہینے میں کڑکتی دھوپ اور شدت دوپہر کے وقت جب کہ ہم دو تین آدمی موجودہ موٹر گیراج والے دالان میں جہاں اس زمانہ میں حضرت کا پریس ضیاء الاسلام نام ہوا کرتا تھا۔ دوپہر کی تلخی اور دھوپ کی حدت کاٹ رہے تھے۔ اچانک خلاف معمول غیر متوقع طور سے مائی پھیلاں نہایت پریشانی اور گھبراہٹ و اضطرار کی حالت میں آئی۔ اس کا اضطراب و درد کچھ ایسا تھا۔ کہ ہمارے دل رحم سے بھر گئے۔ اور ہم اس کی طرف ہمہ تن گوش بنکر متوجہ ہوئے۔ وہ روتی جا رہی تھی۔ اور بات کے ساتھ ساتھ جلد جلد اپنے دامن کو سنبھالتی جا رہی تھی۔ ایک کونہ پکڑتی اور چھوڑ دیتی۔ پھر دوسرا پکڑ کر ٹٹولتی اور چھوڑ دیتی۔ حتیٰ کہ تیسرے یا چوتھے کونہ کو ٹٹول کر اس نے گرہ کھولنی شروع کی۔ چونکہ وہ بیک وقت تین طرف متوجہ تھی (۱) گریہ و زاری اور آہ و بکا (۲) مصیبت کی کہانی کا بیان اور (۳) دامن کی گرہ کشائی۔ اس وجہ سے ہمارے پلے تھوڑا ہی کچھ پڑا۔ اور بات اس کی پوری ہماری سمجھ میں نہ آسکی۔ حتیٰ کہ اس نے گرہ سے کھول کر

ایک اٹھنی

اس نے اپنی انگلیوں میں تھامی۔ اور بعد لجاجت ہم میں سے ہر ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کہ یہ لے لو اور میرے بیٹے کو کہیں سے پکڑ لاؤ۔ وہ بھاگ گیا ہے۔ بہت تلاش کی سر مارا۔ مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ وہ گیا بٹالے۔ اگر کفرستان میں پہنچنے میں وہ کامیاب ہو گیا۔ تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں زندہ ہی مر جاؤں گی"۔ وغیرہ۔

پھیلاں کی بات اب کچھ ہماری سمجھ میں آئی مطلب اس کا سمجھ کر اسے حضرت کے حضور عرض کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ چنانچہ وہ دوڑی گئی۔ حضرت آرام فرما رہے تھے۔ اس کی تکلیف اور بے قراری کی تاب نہ لاکر

حضور آپ بیقرار

ہو کر کھڑے ہوگئے۔ مطلب پا کر حکم بھیجا۔

"فوراً جاؤ۔ محمد دین جہاں کہیں ملے۔ پکڑ لاؤ"

اور خود اس کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ حوصلہ کرو گھبراؤ نہیں۔

"بیٹا تمہارا جا نہیں سکتا آ جائیگا"

ہم لوگ حکم پاتے ہی کھڑے ہوگئے۔ جو جس حال میں تھا۔ بھاگ نکلا۔ کوئی سر سے ننگا بھاگا۔ تو کوئی پیر سے۔ ہر کسی کو یہی خیال تھا۔ کہ وہ پیچھے نہ رہ جائے۔ گرمی کا خیال نہ دھوپ کی پرواہ۔ مارا مار کرتے ہوئے دوڑے۔ تھوڑی دور ایک آگے نکلا تو کچھ دور جا کر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اور اس طرح ادلتے بدلتے موڑ تک پہنچے۔ نہر پر پہنچے آخر وڈالہ بھی آ گیا۔ مگر محمد دین کا پتہ نہ لگا۔ حکم ہمارے آقا کا تھا۔ اور قوت بھی ہمیں وہیں سے مل رہی تھی تکان معلوم ہوئی نہ گرمی۔ بلکہ امید بھرے دل سے ہمارے قدم برابر آگے ہی بڑھتے چلے گئے اور زمین ہمیں پلٹی معلوم دے رہی تھی۔ امیر اس قافلہ کے مخدومی محترم حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب اور شیخ عبد العزیز صاحب (نومسلم) ایک صاحب چوہدری نور الدین نام اور خاکسار راقم عبد الرحمن قادیانی یہ چار نام تو مجھے ایک اور ایک دو کی طرح یاد ہیں۔ ایک صاحب اور کے متعلق شبہ ہے۔ مگر ان کا نام یاد آتا ہے نہ اتا پتا۔

پورے چھ میل کی سرگرم دوڑ کے بعد جبکہ ہم لوگ وڈالہ سے اس پار کی ریت کے بلند ٹیکروں پر پہنچے امید کی شعاع اور جھلک ہمیں نظر آئی۔ اور ایک مجسمہ کو ہم نے محمد دین فرض کر کے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ جوں جوں ہم اس بُت کے قریب ہوتے گئے۔ ہمارا خیال یقین سے بدلتا گیا۔ حتیٰ کہ جب ہم پوری شناخت کی حدود میں داخل ہو کر حق الیقین تک پہنچ گئے۔ اور محمد دین نے بھی تاڑ لیا۔ کہ اب وہ

پکڑا گیا

بھاگنے اور چھپ جانے کی کوئی راہ نہ پا کر سڑک چھوڑ ایک طرف ہو کر رفع حاجت کے طریق پر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک بیٹھا رہا۔ غالباً اس کا گمان یہ تھا۔ کہ ہم لوگوں نے اسے پہچانا نہیں اور اس طرح رستہ سے ایک طرف ہو کر گویا وہ ہم سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

ہم لوگ کوئیں پر پہنچ کر رک گئے۔ جہاں ایک پختہ کمرہ کے علاوہ سڑک کے کنارے اور کوئیں کے گرد توت کے چند سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ اور قادیان سے بٹالہ جانے والی سڑک کے بائیں جانب یہ مقام واقعہ ہے۔ نام اس کا مجھے معلوم نہیں موقعہ کے لحاظ سے یہ جگہ دیوانی وال کے تکیہ اور وڈالہ کے قریباً وسط میں واقع ہے۔ ہم نے میاں محمد دین کی انتظار کی۔ مگر وہ اٹھنے ہی میں نہ آئے۔ مجبور ہو کر خود حاضر ہوئے اور عرض معروض کر کے

اٹھایا۔ جہاں وہ محض بہانہ بنائے بیٹھے تھے۔ بہت سخت کرخت بولے۔ اور ہم سب کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ گالی گلوچ اور سب وشتم کے علاوہ دھمکیوں کا بھی انبار لگا دیا۔ مگر ہماری طرف سے نرمی۔ حکمت۔ منت سماجت اور خوشامد درآمد کا سلوک پا کر آخر نرم تو ہوگئے۔ مگر لوٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھنے پر ضد اور اصرار رہا۔

بہزار منت دلجاجت۔ پیار سے دلاسہ سے نرمی سے گرمی سے کہہ سنکر۔ میٹھی چاپلی اور خدمت وحکمت سے واپسی پر رضامند کیا۔ تو تکان کا عذر اور پیدل نہ چل سکنے کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہا۔ ٹالنے اور وقت گذارنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور اس دوران میں ہم نے محسوس کیا۔ کہ اس کی آنکھیں بار بار بٹالہ کی طرف اٹھتی تھیں۔ جیسے کسی کی انتظار ہو اس خطرہ کو بھانپ کر ہم لوگوں نے اسے پیٹھ پر اٹھایا کہیں پیدل چلایا۔ ایک چادر کے کونے پکڑ کر اس کے لئے سایہ اور دھوپ سے بچاؤ کا انتظام کیا۔ اور اس طرح بعد مشکل اس کو وڈالہ تک لے پہنچے۔ پیچھے مڑ کر جو کسی نے دیکھا۔ تو ایک یکہ آتا دکھائی دیا جس کو دیکھکر

بیم ورجا

اور خوف و امید یکجا جمع ہوگئے۔ خطرہ یہ تھا۔ کہ بٹالہ مشن کے ساتھ اس کی ساز باز تھی۔ مبادا وہی لوگ اس کی تلاش اور استقبال کو آتے ہوں۔ کیونکہ اس کے بھاگ نکلنے کا طریق۔ وضع اور ہیئت ترکیبی کسی منصوبہ وسازش کا پتہ بتا رہی تھیں۔ اسی کشمکش میں وہ یکہ قریب ہوا۔ اور خدا کے فضل سے ہماری امید خطرہ پر غالب ہوئی۔ یکہ میں بمشکل ایک سواری کی گنجائش تھی۔ میاں محمد دین کو اس میں بٹھایا۔ مگر وہ چونکہ لوٹنے پر رضامند نہ تھا۔ اچھی طرح جم کر بیٹھتا نہ مضبوطی سے پکڑتا تھا۔ خطرہ اس کے گر کر چوٹ کھانے کا تھا۔ جس کی اس میں تاب تھی نہ سکت ناچار یکہ والے کو کہہ سنکر ایک کو اس کے ساتھ بٹھایا تا محمد دین کو تھامے رہے۔ اور باقی پیدل یکہ کے ہمراہ خدا کے فضل سے کامیاب و بامراد خوش وخرم لوٹے۔ قادیان پہنچے۔ ماں اس کی راہیں تکتی انتظار میں تھی۔ خدا کا شکر بجالائی۔ اور دوڑ کر حضرت کے حضور اس کی واپسی کی اطلاع اور خوشی کا مژدہ سنایا۔ حضور پر نور خوش ہوئے۔ دعائیں دیں۔ اور محمد دین کے ساتھ زیادہ نیک اور زیادہ محبت کے سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ محمد دین کو ملامت کی نہ کچھ جتایا۔ فرمایا تو صرف یہ کہ

"آپ کو اگر سیر کا خیال تھا۔ تو ہم سے کہتے۔ ہم خود اس کا انتظام کر دیتے آپ نے بے فائدہ تکلیف پائی۔ اور زحمت اٹھائی۔ ماں کی تکلیف کا بھی آپ کو خیال نہ آیا وغیرہ"

اس طرح پھر سے ایک مرتبہ خدا نے محمد دین کو گویا کفر کے غار سے بچا کر دار الامان پہنچا دیا۔ اور وہ اچھی طرح رہنے لگا۔

خدا کے فضل نے جوش مارا۔ رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ حضرت کی توجہات مقبول ہوئیں دم مسیحائی میں تاثیر آئی۔ اس

روحانی مردے کی زندگی

کے سامان ہونے لگے۔ اس کی طبیعت نے پلٹا کھایا

کفر کا زنگ اور شرک کی میل دھلنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے آخر خدا نے وہ دن دکھا دیا جب کلام ربانی الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحق کی تاثیر نے اپنا اثر دکھایا۔ محمد دین کے دل کے جندرے کھل گئے۔ خدا کے فرشتوں نے اس کے سینے کو چاک کر کے غلاظت نکال کر ایمان کا نور بھر دیا۔ اور اس نے صدق دل اور انشراح صدر سے خدا کی توحید اور رسول ؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھکر کفر سے بیزاری اور اسلام کا اعلان کر دیا۔

پھیلاں نے سجدات شکر کئے۔ اور خدا کی حمد کے گیت گائے۔ ہر طرف سے مبارک صد مبارک کی صدائیں بلند ہوئیں۔

روحانی مُردوں کے زندہ

ہونے کا مطلب اور یاایھا الذین آمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم کی عملی تفسیر اور زندہ نمونہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔

مسلمان ہو کر بھی ماں بیٹا کچھ دن رہے۔ محمد دین نماز پڑھتا اور مسلمانی اعمال بجا لاتا رہا۔ اور وہ اب دل سے مسلمان تھا۔

آخر حضرت کی اجازت سے پھیلاں اسے اپنے وطن لے گئی۔ وہاں بھی وہ مسلمان ہی تھا۔ عیسائی پادری اب اس سے مایوس ہو چکے تھے۔ کیونکہ وہ

قادیان سے روحانی زندگی

اور ایمان کا نور پا چکا تھا۔ اس طرح کچھ عرصہ وہ خوش وخرم رہا۔ آخر بیماری نے پھر زور پکڑا۔ غلبہ کیا۔ اور چند روز کی بیماری کے بعد وہ بحالتِ اسلام اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بعد میں میرے نسبتی بھائی بنے۔ اس طرح مجھے قصبہ ڈنگہ سے ایک تعلق ورشتہ ہوگیا۔ پھیلاں اور اس کا لڑکا بھی چونکہ میرے ان بزرگوں کے پڑوسی تھے۔ اس وجہ سے ان حالات کا تفصیلی علم ہوا۔ جسے میں نے امانت سمجھ کر پہنچا دینا ضروری سمجھ کر لکھ دیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۱ء عیسوی سے قبل کا ہے۔

ایک امر جس کا ذکر واقعہ کی مناسبت اور مضمون کی مطابقت کے باعث اسی جگہ مناسب وموزون تھا۔ مجھ سے لکھنا رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ:- سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے مشرف ہونے والے بزرگ اس امر سے واقف اور بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ حضور پرنور کی خدمت بابرکت میں جب کوئی صاحب بیعت کی نیت سے حاضر ہوتے۔ درخواست بیعت کرتے تو عموماً حضور ان کو قبول فرما کر فوراً ہی بیعت لے لیا کرتے۔ مگر بعض لوگ جب حضرت کی خدمت میں پہنچتے۔ بیعت کی درخواست کرتے۔ تو حضور ان کو انتظار میں رکھتے۔ اور "آپ کچھ روز ٹھیریں۔ کچھ دن اور صبر کریں" فرما دیا کرتے تھے۔ اور ایسا معلوم دیا کرتا تھا۔ کہ حضور کو ان کے متعلق کچھ تردد ہے۔ انشراح نہیں۔ جس کی وجہ سے حضور ان کے اصرار کے باوجود بھی ان کا معاملہ تعویق ہی میں ڈالے رکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض واقعات ایسے بھی دیکھنے میں آیا کرتے تھے۔ کہ کوئی صاحب بیعت کے لئے پیش ہوئے حضور نے

ان کو قبول فرما کر بیعت لے لی۔ اور کوئی ایسا شخص بھی اس بیعت میں شامل ہو جایا کرتا۔ جس کو حضور نے حالت انتظار میں رکھا ہوتا۔ گو ایسا شخص بظاہر حضرت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکر اپنے آپ کو احمدیت میں داخل بھی سمجھ لیا کرتا۔ مگر بعض دفعہ بعد کے واقعات سے جو کچھ ظاہر ہوا کرتا۔ ان سے غلاموں کے ایمان میں تازگی اور عرفان میں زیادتی ہو جایا کرتی تھی۔ اور ہم لوگوں پر ان واقعات کے نتیجہ میں یہ اثر غالب تھا۔ کہ حضور کا فرمان

اتقوا فراسۃ المومن

کن حقائق کا مظہر ہے۔ اور یہ حقیقت ہماری سمجھ میں آجایا کرتی تھی۔ کہ اللہ کریم بعض اشخاص اور امور کے متعلق اپنے فضل سے حضور کو خاص طور سے علم عطا فرما دیا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے حضور بعض لوگوں کی بیعت لینے میں تردد و تامل فرماتے ہیں۔

اسی طرح اسلام سے مرتد ہونے والے عیسائیوں کے متعلق جو دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنا چاہتے یا لوٹتے حضور کا قول۔ حضور کی رائے اور فراست کا چرچا اور شہرہ جماعت میں عام ہے۔ مگر بعض خوش بخت۔ نیک نہاد۔ یقیناً اس ذیل میں بھی مستثنیٰ ہیں۔ جن کو حضور پرنور نے قبول فرمایا۔ اور ان کو خصوصیت سے نواز کر شرف قرب بخشا۔ چنانچہ انہی پاک نفسوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود شدید روحانی بیماری میں مبتلا ہونے اور روحانی تو مرچکنے کے محمد دین کو بھی لاعلاج نہ سمجھا۔ اور خدا کے عطا کردہ علم سے اس کے نیک انجام سے آگاہ ہو کر ہی اس کیلئے اتنی سخت محنت۔ لمبا مجاہدہ اور اپنا قیمتی وقت صرف کیا تھا۔ ورنہ حضور یقیناً اس پر اپنا وقت خرچ نہ کرتے۔ جس کے لئے خود خدا فرماتا ہے۔

انت المسیح الذی لا یضاع وقتہ

پس حضور نے محمد دین کے انجام نیک اور اس کی سعادت ہی کی وجہ سے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے گند دھوئے اور نور ایمان سے منور فرما کر روحانی زندگی کی نعمت سے مالا مال فرمایا تھا۔ اور یہی وہ

احیاء موتیٰ اور مردوں کا جی اُٹھنا ہے۔ جس کا ذکر خدا کے کلام میں انبیاء و مرسلین کی نسبت وارد ہے۔

مہتہ عبد الخالق صاحب کیلئے درخواست دعا

مہتہ عبد الخالق صاحب ہمارے سلسلہ کے مشہور امریکہ میں معدنیات کی تعلیم کے لئے گئے ہیں۔ اس اخبار کے احباب کے ہاتھوں پہنچنے تک غالباً وہ امریکہ پہنچ گئے ہونگے۔ مہتہ صاحب ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ صحابی کے لخت جگر ہونے کے علاوہ ہمارے سلسلے کے پہلے نوجوان ہیں۔ جو معدنیات کی تعلیم کے لئے امریکہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نوجوان اور سعید بچے کو کامیاب فرمائے۔ ہم توقع رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے باپ کی طرح سلسلہ کا وفادار اور خادم ثابت ہوگا۔ احباب سے درخواست ہے۔ کہ عزیز موصوف کی کامیابی کیلئے اس رمضان المبارک میں خاص طور دعا فرمائیں۔

الحکم کا جوبلی نمبر

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر بھروسہ رکھکر میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ جیسے میں نے ۷ جون ۱۹۳۹ء کے سیرت نمبر میں جوبلی نمبر کا اعلان کیا تھا۔ اس کے مطابق میں نے جوبلی نمبر کی تیاری کا کام شروع کر دیا ہے۔ یہ نمبر ۴ دسمبر تک چھپ کر تیار ہوجائے گا (انشاء اللہ) اس وقت کاغذ کی گرانی اور مالی تنگی بہت روک بن رہی ہے۔ مگر خدا کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے یقین رکھتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام مشکلات پر عبور کرنے کی توفیق دے گا۔

الحکم کا یہ نمبر

بہت سی خوبیوں کا حامل ہو گا۔ جسے احباب بہت پسندیدگی نگاہ سے دیکھیں گے۔

اس کے علاوہ

اس نمبر کو مصور شائع کیا جائے گا۔ میں ان احباب سے جو سلسلہ عالیہ کے فدا کار ہیں۔ اور جو اپنے امام سے جاں نثاری اور اخلاص کا تعلق رکھتے ہیں۔ اور ذکر حبیب کے ذکر سے ان کی روح میں ایک قوت اور ایک زندگی جدید پیدا ہوتی ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس نمبر کی اشاعت کے لئے آگے بڑھیں۔ اس کی خریداری میں خود حصہ لیں۔ اور اپنے دوستوں کو تحریک کریں۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہو گا۔ جو سالہا سال تک محفوظ رکھنے کے قابل ہو گا۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی سیرت و سوانح کا ایک قیمتی مجموعہ ہوگا۔ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کسی قسم کے انقلاب پیدا کئے ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات جب شائع ہوتے ہیں۔ تو ایسی کتابوں کی ہزارہا کاپیاں اور بیسیوں ایڈیشن چھپ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں گاندھی جی اور نہرو جی کے حالات پر مشتمل کتابیں ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح ہٹلر، سٹالین، موسولینی، مصطفےٰ کمال کی سوانح عمریاں ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوئیں اور ختم ہوگئیں۔

ہمارے امام کا مقام

یقیناً ان لوگوں سے ہر رنگ میں بلند ہے۔ آپ نے قوم کے اندر جو مضبوط کریکٹر اور روحانی زندگی پیدا کی ہے۔ اس کا تقاضا یہی ہے۔ کہ آپ کی سیرت و سوانح پر جو کچھ بھی اس تقریب پر لکھا جائے۔ اسے بکثرت خریدا جائے۔ پس شمع ہدایت کے پروانوں کو اس مضمون کے ساتھ میں پکارتا ہوں۔ اور انہیں کہتا ہوں۔ کہ تمہارے محبوب کا تذکرہ تمہارے اخلاص و محبت کو بڑھانے کے لئے بطور ایک لاثانی تحفہ کے تیار کر رہا ہوں۔ اب آگے آؤ۔ اور اس تحفے کو دنیا میں پھیلاؤ۔ خود لو۔ اور اپنے دوستوں کو پیش کرو۔ جو احباب اور جو انجمنیں جتنے جتنے پرچے لینا چاہیں۔ ابھی سے اطلاع دیں۔ الحکم کے ایسے خریدار جن کے بقائے صاف ہیں۔ ان کی خدمت میں بھی یہ پرچہ مفت پیش کیا جائے گا۔

محمود احمد عرفانی ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان

ایک گھنٹے میں کیا کیا ہوتا ہے

اگر کسی سے یہ سوال کیا جائے۔ کہ ایک گھنٹہ سے کیا مراد ہے۔ تو پہلا خیال جو پیدا ہوگا۔ وہ یہی کہ "کچھ نہیں۔ یہ تو کوئی بہت زیادہ نہیں ہے" صرف ساٹھ منٹ جو بآسانی گذر جائیں۔ اگر ہم کسی مسرت افزا شغل میں معروف ہوں۔ مگر بیکاری کی حالت میں یہ گذارنے نہیں گذرتے۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک گھنٹے میں کوئی اہم واقعہ ضرور پیش آسکتا ہے۔ مگر....

لیکن ماہر حسابات نے نہایت احتیاط کے ساتھ ان تمام واقعات کا مطالعہ کیا ہے۔ جو ساری دنیا میں ایک گھنٹے کے اندر پیش آسکتے ہیں۔ اور جب ہم ان کی محنتوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو حیرت سے ہمارے دماغ مختل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ ساری دنیا میں ایک گھنٹے کے اندر ۱۴۰۰۰ تار گشت کرتے ہیں۔ ۱۱۴۱۰۰۰ خطوط پوسٹ کارڈ اور پارسل ڈاک میں بھیجے جاتے ہیں۔ ایک گھنٹہ کے اندر ۶ کروڑ اخبارات چھپتے ہیں۔ اور ۱۲۵۰ شادیاں رچائی جاتی ہیں۔ ساری دنیا میں اسی ایک گھنٹے میں ۷ کروڑ پونڈ روٹی۔ اسی انداز میں چاول۔ پانچ کروڑ پونڈ آلو۔ ۸۰ لاکھ پونڈ گوشت پچیس لاکھ انڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۲۰۰۰۰ ڈالر کا گوند لوگ چباتے ہیں۔ ہر گھنٹے میں ۴۴۴۵ بچے ساری دنیا میں پیدا ہوتے اور ۴۶۵۰ افراد مرجاتے ہیں۔ مرنے والوں میں ایک خاص بڑی تعداد تو اُن کی ہے۔ جو سڑک کے حادثہ یا زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ مگر باقی اور جتنے بھی ہیں۔ وہ بیماریوں کی وجہ سے مرتے ہیں۔

اس طرح اعداد شمار ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ صرف برطانوی ہند میں ۱۲۰ اشخاص ہر گھنٹے میں ملیریا کی وجہ سے مرتے ہیں۔ اس بیماری (ملیریا) سے اور دیگر بیماریوں کی بہ نسبت زیادہ اموات ساری دنیا میں واقع ہوتی ہیں۔ اگرچہ دوسری بیماریاں کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ مثلاً طاعون، چیچک، ہیضہ وغیرہ ان ممالک میں جہاں یہ خطرناک بیماری مسلط رہتی ہے۔ اس کے استیصال کے لئے سخت جدوجہد جاری ہے۔

مجلس بین الاقوام کی ملیریا کمیشن کی ہدایت ہے۔ کہ پورے بخار کے موسم میں ۶ گرین "کونین" کا روزانہ استعمال اس بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ملیریا کے حملوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ۱۵ سے ۲۰ گرین تک کونین روزانہ ۵ سے ۷ دن تک استعمال کرنا چاہیئے۔